مکمل ناول

ہم اپنی طرز کے جوگی ہیں

عالیہ حرا

نام اس کا تھا قرینہ! اور وہ بہت خاموش طبع تھی، اتنی خاموش کہ اس کی موجودگی کا احساس بھی آواز دے کر کرنا پڑتا تھا۔ بہن بھائیوں میں وہ ساتویں نمبر پر تھی۔ اس کے بعد ایک بہن اور تھی، اور ان کے درمیان دو سال کا فرق تھا۔ اس کے باوجود ان کے درمیان ہم آہنگی نہیں تھی۔ وہ اپنی ذات میں تنہا تھی، یا پھر اس کی ذات کو تنہا کرنے میں اس کے گھر والوں کا ہاتھ تھا۔

اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی فرد تھی۔ قرینہ باسط علی، ذہین بھی بہت تھی۔ پچھلے دنوں میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تھا۔ مگر کسی کو خاص خوشی نہیں ہوئی تھی، حالانکہ اس نے سُن رکھا تھا کہ والدین کے لیے ان کی تمام اولاد یکساں اہمیت کی حامل ہوتی ہے، اور جب سے اسے شعور کی آگہی ملی تھی۔ اسے وجہ سمجھ میں آتی جارہی تھی۔

جس چیز کا ہمیں احساس نہیں ہوتا۔ لوگ اس کا احساس کروا دیتے ہیں۔ اور اس بات کا اسے ہمیشہ سے احساس تھا کہ ماں نے بھی اسے وہ اہمیت نہیں دی جو اس سے بڑوں کو ملی تھی، اس کی وجہ کیا تھی۔ وہ سوتیلی بھی نہیں تھی، اور نہ ہی ضدی، روتی بسورتی بچی تھی۔ وہ تو بچپن سے صلح جو قسم کی لڑکی تھی، اور والدین بہن بھائیوں کی محبت کے لیے اس نے لاتعداد چھوٹی چھوٹی قربانیاں دی تھیں۔ مگر نتیجہ ہمیشہ اس کی سوچ کے برعکس نکلتا تھا۔

ابو تو ہمیشہ بزنس ٹور پر رہتے تھے، واپس آتے تو اس سے پہلے ہی سب ابو کے گھیرا ڈال کر پیار لیتے

فریحہ سب سے چھوٹی ہونے کے ناتے لڑ جھگڑ کر سب سے آگے پہنچ جاتی تھی اور وہ جگہ خالی ہونے کے انتظار میں کھڑی رہ جاتی۔ آخر میں امی کہتیں۔
"بیٹا! ابو کی لی چیزیں ابو کے کمرے میں رکھ آؤ۔"

وہ خاموشی سے چیزیں سمیٹنے لگتی تھی۔

اُسے لڑ جھگڑ کر اپنا حق لینا نہیں آتا تھا۔
اوائل عمر میں ہی اس کے اندر اونچا بولنے کی خواہش دم توڑ گئی تھی۔ اور اپنے نظر انداز کیے جانے کی وجہ بخوبی سمجھ میں آ گئی تھی۔
سب بہن بھائی دودھ جیسی رنگت کے مالک تھے، بڑی آپی اور ایپا کی رنگت میں سپید دودھیا چاندنی ایسی ملاحت تھی۔ گویا ہاتھ لگاؤ تو میلی ہو جائیں۔ زرین کے لیے تو امی کہتی تھیں، شہزادیوں جیسا وقار ہے، اور یہ انہیں فخر بھی تھا۔ ان کے کشمیر کا سارا حسن فضیحہ، تمکین، زرین اور فریحہ نے لے لیا ہے، اور رہی بات قرینہ کی۔ اس کے نام پر یاد کر کے ان کے ہونٹوں سے ہمیشہ ایک ٹھنڈا سانس خارج ہوتا تھا۔ اس کی بار ہی پر ان کے ذہن میں کوئی مثال نہیں آتی تھی۔ دل میں سوچ کر رہ جاتی تھیں۔ جانے یہ لڑکی کس پر گئی ہے۔ کالی کلوٹی، سیاہ فام قرینہ، نہ ماں کا عکس تھی، اور نہ باپ کا سایہ، بلکہ امی تو کہتی تھیں۔ آج تک ان کے خاندان میں ایسی رنگت پیدا نہیں ہوئی۔ اور ان کے اتنے غرور پر اب پیدا ہو گئی تھی، تو بھی ان کو اس کا احساس نہیں تھا۔ باسط علی صاحب کے خاندان میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کالے رنگ کا۔
اس میں ذہانت بھی تھی، لیاقت بھی، وہ بے پناہ صلاحیتوں کی مالک تھی، لیکن اس کی رنگت نے ان تمام صلاحیتوں کو پس پشت ڈال دیا تھا۔
ماں نے کمتر جانا، بہن بھائیوں نے اہمیت ہی نہیں دی۔
آپی اور ایپا نے بس اتنی اہمیت دی کہ اپنے کام کروا لیے۔ زرین اتنی اہمیت دیتی کہ اس کا سلا ہوا ہر جوڑا پہننے کے لیے لے جاتی۔

اور فریحہ کو اس کا اتنا خیال تھا کہ قرینہ [illegible]
میتھ پڑھاتی تھی۔
آذر بھائی جان سے اس کی جان جاتی تھی [illegible]
غصہ کے بہت تیز تھے۔ سامنے نہیں جاتی تھی۔
عامر جو آپی سے چھوٹا تھا آتے جاتے [illegible]
کر لیتا۔
ایک عادل تھا جو اکثر اس کے بیڈ روم میں [illegible]
تھا۔
ان سب لوگوں نے اس کو محرومی میں [illegible]
تھا، مگر یہ محرومی احساس کمتری نہیں تھی [illegible]
احساس کمتری کا شکار نہیں تھی۔ اپنی ذات [illegible]
مضبوط تھی۔ محرومی نے اس کے اندر خلا [illegible]
تھا۔ اور بعض خلا ایسے ہوتے ہیں، جن کو کبھی [illegible]
نہیں کیا جا سکتا۔
اُسے لڑنا جھگڑنا نہیں آتا تھا، وہ اپنا [illegible]
والدین سے نہیں لے سکتی تھی، اُسے زور [illegible]
نہیں آتا تھا۔ اپنے بہن بھائیوں سے اپنی [illegible]
نہیں منوا سکتی تھی۔ اس کے برعکس وہ [illegible]
بلکہ دیکھتی آ رہی تھی کہ آپی اپنی ضدیں بھی [illegible]
تھیں، اور زرین اپنی ہر ناجائز بات۔
عامر لڑ جھگڑ کر زیادہ پاکٹ منی بھی [illegible]
تھا۔ اور رمزیہ کا تقاضا پورا کر دیتا تھا۔ اور [illegible]
کی تو بات ہی کیا تھی۔
اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، کہ ایسا کیوں [illegible]
ہے۔ اس نے اپنا چہرا خود تو پینٹ نہیں کیا۔
آئینے نے ہمیشہ اس کی معصومیت کی گواہی [illegible]
تھی، کبھی اس کو بدصورت نہیں کہا تھا۔ اور وہ [illegible]
بدصورت سمجھتی بھی نہیں تھی، اللہ نے بنایا [illegible]
سوچ کر ہی بنایا ہوگا۔ پھر اس کی سمجھ میں [illegible]
کہ کالے رنگ میں کیا برائی ہے۔ محض کالے [illegible]
وجہ سے اس کو اس کا درجہ نہیں دیا جائے کیوں [illegible]
انسان اگر کسی سے نفرت کرتا ہے، کسی کو برا [illegible]
ہے تو وہ اس کی عادات ہوتی ہیں، بری عادت [illegible]
انسان نفرت کرتا ہے، اور اچھی عادت دل میں [illegible]
کر لیتی ہے۔ اس میں کون سی بری عادت تھی۔

آذر بھائی جان کی طرح اس کو شدید غصہ نہیں آتا تھا۔
آپی کی طرح اس کو مسلسل بولنے، باتیں کرنے کا شوق نہیں تھا۔
ایپا کی طرح چیخ چیخ کر نہیں بولتی تھی۔
عامر کی طرح فضول خرچی کرنے کا اس کو کوئی شوق نہیں تھا۔
نہ ہی بے مقصد کپڑے جمع کرنے کا شوق تھا۔
وہ بہت سادہ مزاج تھی، گھومنے پھرنے کا بھی اسے جنون نہیں تھا۔ کہیں جانا ہوتا۔ عامر کہتا۔ "تم جا کر کیا کرو گی قرینہ! گھر میں بیٹھو۔ آرام سے پڑھو، ایسا نہ ہو کہ میزبانوں کا نقصان ہو جائے۔"
"نقصان کیسے ہوگا بھائی؟" وہ اپنی فطری سادگی سے پوچھتی۔
"بھئی۔ تم جاؤ تو ایسا نہ ہو کہ وہاں کی لائٹ چلی جائے۔" وہ مذاق میں کہتا لیکن وہ شرمندہ ہو جاتی۔
"اب ایسا بھی نہیں ہے۔"
یا پھر کبھی زرین کہتی۔ "قرینہ! تم جا کر کیا کرو گی۔ گھر پہ ہی رہو، تم اپنا سوٹ مجھے دے دو۔" اور وہ ہمیشہ کی امن پسند تھی۔
اسے کسی سے شکایت نہیں تھی۔ بس اس بات کا احساس تھا کہ بنانے والے نے اس کو جیسا بھی بنا دیا ہے۔ لوگ قبول کیوں نہیں کرتے، خود کو بنانے میں کسی انسان کا اتنا ہاتھ نہیں ہوتا۔ بنانے والا تو اوپر بیٹھا ہے لوگ کیوں دوسروں کے چہروں میں نقص نکالتے ہیں، اور پھر اس نے خود کہہ دیا ہے۔
"کہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں ہے، اگر ہے تو وہ تقویٰ ہی ہے۔"
پھر لوگ کیوں نہیں سمجھتے تھے۔
اُسے سنجیدہ بنانے میں اس کے گھر والوں کا حصہ تھا۔
گھر بھر میں پڑھنے میں سب سے آگے وہ تھی۔ آپی اور ایپا نے گریجویشن کر کے چھوڑ دیا تھا۔ باقی سب پڑھ رہے تھے۔
فریحہ کو پڑھانے کے لیے ٹیوٹر آتا تھا۔ میٹرک تک وہ بھی پڑھتی تھی، مگر اُسے ٹیوٹر سے پڑھنا کبھی بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔
امی کو اس سے نفرت نہیں تھی۔ اور نہ ہی سوتیلی ماں جیسا سلوک کرتی تھیں۔
اس کا خیال بھی رکھتی تھیں۔ موسم کے لحاظ سے یا کسی تقریب کے لیے کپڑے بنتے تو اس کا بھی خیال رکھا جاتا۔ کھانے کا بھی دھیان رکھتی تھیں۔ مگر وہ بات نہیں تھی جو دوسروں کے ساتھ تھی۔
فریحہ بیمار ہوتی تو اس کے سرہانے بیٹھی رہتی تھیں، یا اُسے اپنے بیڈ روم میں لے جاتیں۔ غلطی سے اگر وہ بیمار پڑ جاتی، گھر میں ڈاکٹر بھی آتا۔ امی اس کو اپنے سامنے دوائی بھی کھلاتیں، اور پھر اس کا کمبل ٹھیک کر کے اسے سونے کی تاکید کر کے باہر چلی جاتیں۔ اور وہ ملگجے سے اندھیرے میں دیکھتی رہتی۔
عامر کہتا کہ "تم اتنی گوری بھی نہیں ہو کہ تمہیں نظر لگے، پھر بخار کیسے چڑھ آیا۔"
(گویا بخار ہونے کے لیے بندے کا خوبصورت ہونا ضروری ہے)
ابو آتے، پیار کرتے، کچھ دیر اس کے پاس بیٹھتے اور پھر یہ کہتے ہوئے اُٹھ جاتے۔ "جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، مجھے بیمار بچے بالکل اچھے نہیں لگتے۔"
ہو سکتا ہے، ابو کی مجبوری ہو، مصروفیت ہو۔ کہیں جانے کی جلدی ہو، یا پھر اتنے سارے بچوں میں سب کو ایک ساتھ ٹائم نہیں دے سکتے ہوں، مگر اس کا خیال اپنی رنگت کی طرف جاتا۔ ورنہ اسے یاد تھا کہ دوسروں کی بیماری پر ابو کتنا خیال کرتے ہیں۔
وہ اپنی ذات کے خول میں بند ہوتی جا رہی تھی۔
ابھی پچھلے دنوں امی کی کوئی دوست آئی ہوئی تھیں، غلطی سے وہ ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھی۔ "یہ کون ہے مسز باسط؟"
"میری بیٹی ہے۔" چائے بناتے ہوئے ان کا لہجہ سرسری تھا۔ وہ دروازے پہ رک گئی۔
"جی۔۔!" ان کے لہجے میں زمانے بھر کی حیرانی تھی۔

"کیوں، میری بیٹی نہیں ہو سکتی یہ۔؟"

"ہو سکتی ہے مسز باسط! مگر آپ کی باقی بیٹیوں سے کتنی مختلف ہے۔ وہ سب تو چندے آفتاب چندے ماہتاب ہیں۔ اس کی دفعہ کیا کھالیا تھا؟" ان کے لہجہ میں طنز تھا۔

"میں تو خود حیران ہوتی ہوں کبھی کبھی۔ یہ کس پر چلی گئی ہے۔"

"کہیں زیادہ بچوں کے شوق میں لے کر تو نہیں پالی ورنہ۔"

"توبہ کریں مسز جبار، میرے اپنے ہی بہت ہیں، لے کر کیوں پالوں گی۔" فرینہ کو اپنی ماں کے لہجہ میں شرمندگی محسوس ہوتی۔

"دن اور رات کا فرق ہے ان کے درمیان۔" تیزی سے پلٹتے ہوئے بھی سن لیتی، اور ڈرائنگ روم سے اپنے بیڈروم تک آتے آتے وہ سوچتی۔ امی یہ کیوں نہیں کہتیں کہ "قدرت کے کاموں میں کس کا دخل ہے۔ اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔

یہ کیوں نہیں سمجھاتیں دن رات کا فرق ہے، مگر میرے لیے تو کوئی فرق نہیں۔

شرمندہ کیوں ہوتی ہیں، میں نے کوئی برا کام تو نہیں کیا۔

مگر اس کے رنگ کا احساس انہیں بھی تھا۔ شاید اس لیے شرمندہ ہوتی تھیں۔ اور ماں کی شرمندگی اُسے محرومی میں نہیں بلکہ شرمندگی میں مبتلا کرتی تھی۔ اس کا حل اس نے یہ نکالا کہ ان کی۔ دوستوں کے سامنے جانے سے گریز کرنے لگی۔ ویسے بھی اُسے مہمانوں کے سامنے بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ زرین تو اپنا فرض سمجھتی تھی کہ گھر میں آئی ہوئی ہر مہمان فیملی کو کمپنی دے۔

اب تو اس کے گریز کا یہ حال تھا کہ جنید بھائی جو آپی کے شوہر تھے، ان سے بھی بہت کم بات کرتی تھی۔ وہ بھی اُس وقت جب وہ سامنے ہوتے یا پھر بلوا لیتے۔ تو حالانکہ جنید بھائی اس کے فرسٹ کزن تھے۔ آپی کی طرح خوبصورت اور اسمارٹ، بلاشبہ دونوں کی جوڑی چاند اور سورج کی جوڑی تھی۔ اپیا کی منگنی بھی ہو گئی تھی۔ عنقریب ان کی شادی تھی۔ ان کی شادی خالہ جان۔ کے بیٹے جواد سے ہو رہی تھی، اور جواد بھائی کی پرسنیلٹی بھی غضب کی تھی۔ امی بھی چن کر داماد پسند کرتی تھیں، بلکہ وہ کیا پسند کرتیں۔ ان کی بیٹیوں کا نصیب ان کے رنگ کی طرح چمکتا ہوا تھا۔ گویا وہ خوش بختی کا تاج لے کر پیدا ہوئی تھیں۔ ایسے میں انہیں اگر فرینہ کا خیال آجاتا تو ٹھنڈی سی آہ ان کے ہونٹوں سے نکلتی" پتا نہیں ان کی اس بیٹی کا نصیب کیسا ہو، کہیں ان کی بیٹی کے چہرے کی طرح۔

"نہیں۔ نہیں۔" وہ دہل کر ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیتیں۔ "خدا نہ کرے۔"

میٹرک میں اس کا شاندار رزلٹ تھا۔ امی ابو نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا تھا۔ اور کتنی ٹھنڈک اس کے دل میں اتری تھی۔ یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

سب نے اس کو تحفے دیے تھے۔ جنید بھائی کا تحفہ سب سے خوبصورت تھا۔ خوبصورت کتابوں کا سیٹ، کتابیں جو اسے سب سے عزیز ہوتی جارہی تھیں۔

اس کی تنہائیوں کی رفیق کتابیں، اسے نیکی اور اچھائی کا درس دینے والی کتابیں، جس کا کوئی دوست نہیں ہوتا اُسے کتابوں سے دوستی کر لینی چاہیے، اور کتابوں نے ہی اس پر آگہی کے بہت سے در وا کیے تھے۔ سوچوں کا سمندر وسیع کیا تھا۔

کتابیں اس کی غم خوار بھی تھیں اور ہم راز بھی۔ یہ کتابیں ہی تھیں جن کی وجہ سے وہ کسی محرومی کا شکار نہیں ہوئی تھی۔

اگر وہ کتابوں سے دوستی نہ کرتی، تو وہ بھی عام سی لڑکیوں کی طرح اپنے رنگ کے کمپلیکس کا شکار ہوتی۔ گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔ خود کو اذیت دیتی۔ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی۔

صرف رنگ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ پھر کس بات کا کمپلیکس اور کیسا احساسِ محرومی۔ کتابوں نے اس کی باطنی خوبیوں کو نکھارا تھا۔ ایک مضبوط شخصیت تشکیل دی تھی۔ بس لوگوں کی سطحی سوچ پر اسے افسوس

ہوتا تھا۔

اس نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اس کا ارادہ ایم۔ بی۔ اے کرنے کا تھا۔

"یہ لڑکوں کی لائن ہے، تم کہاں سے اس میں کود گئیں۔؟" عمیر نے سنا تو اس کے بیڈروم میں آگیا۔

"لڑکے بھی تو لڑکیوں کی لائن میں جا رہے ہیں، اس بارے میں کیا خیال ہے"

"خیال تو نیک ہے۔ مگر یہ لائن بہت مشکل ہے، اور میرے خیال میں لڑکیاں میتھ اور الجبرا سے الرجک ہوتی ہیں۔"

"مگر اب لڑکیاں الجبرا بڑے شوق سے پڑھتی ہیں۔ کبھی ہمارے کالج میں آئیے گا۔"

"ضرور، ضرور۔ مجھے بتادو۔ کب آؤں۔ بڑا شوق ہے، مجھے لڑکیوں کا کالج دیکھنے کا۔"

"لڑکیوں کا کالج دیکھنے کا یا پتھر کھانے کا۔؟"

"پتھر بھی تو پھول ہوتے ہیں۔ تم کیا جانو لڑکی! یہ تبرک نصیب والوں کو ملتا ہے۔"

"کیا۔ کیا۔؟" اس کی حیرت دو چند ہونے لگی۔

"کتنے خراب ہوتے ہیں آپ لوگ، اور کتنی خراب باتیں کرتے ہیں۔"

عمیر بے اختیار ہنس دیا۔ کتنی پاگل تھی فرینہ۔

"میں تو کہہ رہا ہوں، ابھی بھی وقت ہے میڈیکل یا آرٹس جوائن کرلو۔ فائدے میں رہوگی۔ ہار کر آنے سے بہتر ہے ابھی سوچ لو۔"

"گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں۔" اس کا ایک ہی نعرہ تھا۔

"ویسے کیا کروگی کامرس پڑھ کر۔؟"

"ایم۔ بی۔ اے۔"

عمیر کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

"ماشاءاللہ۔ ارادے تو بلند ہیں۔ کامیاب ہو گئیں تو کیا کروگی؟"

"جاب کروں گی یا ابو کا کاروبار سنبھالوں گی۔" اس کے لہجے میں یقین تھا۔

"گویا سب کچھ چھوڑنے کا ارادہ ہے۔ تمہارا میاں تو تمہارا دم بھرے گا۔ میری بیگم اتنے بڑے بزنس کی مالک ہے۔"

"کتنی خراب سوچ ہے آپ کی۔" اُسے برا لگ گیا۔

"ویسے آپ مجھے ان لوگوں میں سے لگتے ہیں۔ جو عورتوں کی تعلیم کے شدید مخالف ہوتے ہیں۔ یا ان لوگوں میں سے جو بیویوں سے جہیز کی تمنا کرتے ہیں۔" اس نے گویا ایک پل میں تجزیہ کر لیا تھا۔

وہ صاف اور کھری لڑکی تھی۔ اس نے بڑے اعتماد سے تجزیہ کیا تھا۔ عمیر سلگ گیا۔

"حد ادب لڑکی۔ مفت مشورے کی کوئی قدر نہیں ہے۔"

"مجھے مفت خوری۔ کی عادت نہیں ہے، ماشاءاللہ میں خرچ کر سکتی ہوں۔" اس کا لہجہ بھی شرارتی ہو گیا۔

"عمیر۔ عمیر۔!" باہر سے عامر آوازیں دے رہا تھا۔

"اچھا۔ اس ٹاپک پر پھر کبھی سیر حاصل گفتگو کریں گے۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"جی نہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے سیر حاصل گفتگو کرنے کا۔ سیدھی طرح اپنی تعلیم مکمل کریں، اور اپنے ہم مزاج ساتھیوں سے سیر حاصل گفتگو کیجیے۔" چھوٹی سی فرینہ باسط علی نے جو اپنے کبیر سن کی پہلی سیڑھی پر کھڑی تھی، اسے لاجواب کر دیا تھا۔

"یہ کس بات پر سیر حاصل گفتگو ہو رہی ہے۔" عامر نے دروازے سے سر نکالا۔

"کچھ نہیں۔ یہ اپنی کزن فرینہ باسط علی تو بس۔" عمیر نے اسے گھور کر دیکھا۔

"نا۔ نا میرے بھائی آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے ایک معرکہ سر انجام دیا ہے، میٹرک میں فرسٹ کلاس فرسٹ مارکس لیے ہیں۔ ان سے سیر حاصل گفتگو کی ہی نہیں جا سکتی۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے عامر بھائی!" وہ ہنس دی۔

اور عامر کے ساتھ عمیر بھی باہر نکل گیا۔ فرینہ کیسٹ لگاتے ہوئے اس کے جملوں پر غور کرتی رہی۔

بالوں کے خلاف محاذ کھول لیا جائے۔" اس نے سنجیدگی سے کہہ کر گلاس میز پہ رکھ دیا۔

"میرا دل چاہے گا تو بال کٹوالوں گی۔ مفت مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا اس کے بغیر اپیا کی شادی میں شرکت نہیں کر سکتی۔"

"اس میں تپنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے بھلے کے لیے کہا ہے۔"

"کس میں میرا بھلا ہے اور کس میں نہیں۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" اسے غصہ بہت کم آتا تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں اس وقت جھنجلا گئی۔

"اس لڑکی کا تو بس اللہ ہی مالک ہے۔ بھلے کی بات تو سمجھ میں ہی نہیں آتی۔" امی نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

"امی! بال کٹوانے سے قرینہ کا کیا بھلا ہوگا؟" یہ بات عادل کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

"اس کی شکل نکل آئے گی۔ بالوں کا رنگ بھی چہرے پر آگیا ہے اوپر سے کس کس کر دو چٹیاں باندھ لیتی ہے۔"

"امی! اس کے رنگ کا کمپلیکس اس سے زیادہ آپ کو ہے، اور مجھے لگتا ہے۔ آپ کی باتوں سے اسے بھی ہو جائے گا۔"

اسے قرینہ کے لیے امی کی سوچ سخت ناگوار گزرتی تھی۔

"میں ماں ہوں اس کی، دشمن نہیں ہوں۔ کل کو اسے بیاہنا بھی ہے۔ اس کا رنگ اتنا کم ہے ہزار کریموں اور لوشنز کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔ ذرا جو اس نے استعمال کیے ہوں، کون بیاہنے آئے گا اسے۔ یہ کبھی سوچا ہے تم نے؟"

امی کو بھی غصہ آگیا۔ عامر نے اٹھ جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس کے پیچھے زرین بھی اٹھ گئی۔

"امی! نہ فکر مجھے ہے اور نہ آپ کو ہونی چاہیے۔ یہ قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں، جو آسمانوں پہ طے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالے یہ سوچ کر جوڑ نہیں بناتا کہ کوئی کالا ہے، اور کوئی گورا۔ اس لیے اس نے کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت بھی نہیں دی، سب انسان برابر ہوتے ہیں۔ قرینہ کو کسی بات کا احساس کمتری نہیں ہے۔ اس لیے وہ کوئی لوشن اور کریم استعمال نہیں کرتی۔"

عادل کو امی کی زیادتی کا احساس تھا، مگر ان کی بھی مجبوری تھی، چار خوبصورت بیٹیوں کے درمیان ایک بیٹی ایسی تھی، فکر لازمی تھی۔

"اور آپ ابھی سے اس کی فکر کیوں کر رہی ہیں؟ ابھی وہ انٹر میں ہے، اور پھر ابھی آذر بھائی ہیں، زرین اور عامر ہیں، پھر میں ہوں۔" وہ شرارت سے ان کی طرف جھکا۔ "اس کی فکر آپ کو بہت ہے؟"

"شریر!" امی نے اس کے بال بکھیر دیے۔

اس کو اپنے بال بہت پسند تھے۔ جانے کون کون سے نسخے اپنے بالوں کے لیے آزماتی تھی، کون کون سے تیل انہیں پلاتی تھی۔ خونِ جگر دے کر انہیں پال رہی تھی۔ اور امی کہہ رہی ہیں، کٹوا دو۔ ناممکن۔ خود کو نہ ختم کر لوں میں۔ وہ اپنے بالوں کے بارے میں کوئی ریمارکس نہیں سن سکتی تھی۔

آج کل امی اپیا کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ اس لیے ذرا دھیان بٹ گیا تھا ورنہ تو اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے انہیں اس کے رنگ کی فکر کھائے جاتی تھی۔

اپیا کی ساری تیاری امی ان کی پسند سے کر رہی تھیں۔ ایسے میں کبھی کبھی آپی بھی آجاتیں، تو اپنے بیٹے طلال کو چھوڑ کر امی اور اپیا کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلی جاتیں۔ زرین کو بچے سخت برے لگتے تھے، دور دور سے پیار کرتی تھی۔ آپی کے پیچھے وہی سنبھالتی تھی طلال کو، اور وہ کچھ اس سے مانوس بھی تھا۔ جنید بھائی اس کی گود میں طلال کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔

"میرا بیٹا ایک ذہین لڑکی کی گود میں ہے تھوڑی ذہانت اسے بھی دے دینا۔" وہ چھیڑنے سے باز نہیں آتے۔

"اور اگر رنگ دے دوں پھر۔۔؟" اس لمحہ وہ جانے کیوں شریر ہو جاتی۔

"کوئی مضائقہ نہیں۔ ذہانت ہو تو سب منظور ہے۔ اور ویسے بھی میرے نزدیک رنگ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ انسان کی شخصیت پر رنگ و نسل اثر انداز نہیں ہوتے۔"

"ہوں۔ آپ کی باتوں سے احساس ہوتا ہے کہ آپ ایک پڑھے لکھے شخص ہیں۔"

"اچھا۔!" وہ اس کے انداز پر بے اختیار ہنس دیے۔

"اچھی بات کے لیے انسان کا پڑھا لکھا ہونا شرط ہے کیا؟"

"نہیں، شرط تو نہیں ہے، مگر پھر بھی۔" وہ سوچ رہی تھی، آپی یہاں ہوتیں تو ان کا کیا ردعمل ہوتا۔

"یہ لقراط کی فیملی کے درمیان کیا موضوع زیرِ بحث ہے؟" آپی فیڈر لے کر آئی تھیں۔

"کچھ نہیں آپی! جنید بھائی کہہ رہے تھے کہ طلال کو تھوڑی سی ذہانت دے دو۔"

"کیوں بھئی، میرا بیٹا کسی سے کیوں لے۔ یہ تو ورثہ میں ذہانت لے کر آیا ہے۔" وہ محبت سے اس کو گود میں لے کر فیڈ کرنے لگیں۔

بلا شبہ آپی کا بیٹا دونوں کے حسن کا پرتو تھا۔

"میں نے کہا جنید بھائی! اگر میں طلال کو ذہانت کے ساتھ، سارنگ بھی دے دوں تو پھر۔"

"خدا کا خوف کرو قرینہ! اللہ نہ کرے کہ میرا بیٹا کالا ہو۔ کیسی بد فال منہ سے نکالتی ہو۔" انہوں نے خوف سے طلال کو یوں سینے سے لگایا کہ جیسے اس کا رنگ طلال کو لگ ہی جائے گا۔

جنید بے اختیار اپنی بیوی کی طرف دیکھنے لگے۔ کتنی چھوٹی بات کی تھی اس نے۔

"تمہیں پتا ہے کہ مجھے کالے رنگ سے کتنی نفرت ہے۔"

"آئی ایم سوری آپی! میں تو مذاق کر رہی تھی۔" وہ شرمندہ ہو گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے مذاق میں بھی ایسا کہنے کی۔" انہوں نے اس وقت اپنے بڑے ہونے کا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ اور جنید بھائی کا بھی خیال نہیں کیا تھا۔

قرینہ مزید شرمندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک دم سے باہر نکل گئی۔

"یہ تم اتنی پڑھی لکھی اور ماڈرن ہو کر کتنی گری ہوئی بات کر گئی ہو۔" جنید بھائی کو شدید غصہ آرہا تھا۔

"میں مذاق میں بھی ایسی بات برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اور اگر سچ مچ کوئی اولاد اس رنگ کی پیدا ہو گئی تو پھر۔۔"

"پلیز جنید! ایسا مت کہیں۔ پھر اسے امی ہی پالیں گی۔"

انہوں نے طلال کو کندھے سے لگایا اور باہر نکل گئیں۔

جنید کتنی دیر تک بیٹھے سوچتے رہے۔ اس سلوک کی انہیں۔۔۔ امید نہیں تھی۔ اور پھر قرینہ تو ان کی بہن تھی۔ مائی گاڈ کتنا تضاد ہے۔

وہ خود بہت شرمندہ تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے جنید بھائی۔ اسے بار بار خیال آرہا تھا۔ آپی تو شروع سے ایسے ہی اسے سرٹ کرتی آرہی تھیں مگر۔ مگر وہ جنید بھائی کا تو خیال کر لیتیں۔

کتنی زیادہ سطحی ہیں آپی۔ کتنا غرور ہے انہیں اپنے گورے رنگ پر۔ گورے رنگ کے ساتھ ساتھ اگر کوئی ڈھنگ سلیقہ بھی ہوتا تو بات تھی۔ اس نے پہلی بار آپی کے خلاف سوچا۔ کہنے کا اختیار نہیں تھا تو کیا ہوا۔ وہ سوچ تو سکتی تھی نا۔

اپیا کی شادی کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ سات دن پہلے مایوں تھی۔ ساری کزنز رہنے کے لیے آ گئی تھیں۔

رات کو ڈھولک کے ساتھ وہ محفل جمتی کہ۔ الاماں الحفیظ۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ساری کزنز میں ڈھول صرف شارمین کو بجانا آتا تھا۔ وہ بجاتے بجاتے تھک گئی تو اٹھ گئی۔

"اب کوئی اور بجائے میں تھک گئی ہوں۔"

"آج تو دوسرا دن ہے۔ ابھی پورے چار دن باقی ہیں۔ ابھی سے تھک گئیں۔" زرین نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

"پلیز، اب میں نہیں بجا سکتی، ہاتھ سن ہو رہا ہے۔" اس وقت وہ بہانا قطعاً نہیں کر رہی تھی۔

"ہائے اب کیا ہوگا۔" سب کو فکر لاحق ہو گئی۔

"اب تو کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔"

"لاؤ۔ میں ٹرائی کرتی ہوں۔" قرینہ کو ان پر ترس آ گیا۔

"ہیں۔!" سب حیران ہوئے قرینہ اور ڈھول، جب کہ ہر کسی نے اسے صرف اسٹڈی کرتے ہی دیکھا تھا۔

"اوہ تو تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں ڈھول نہیں بجا سکتی۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ مستقبل کی ایم بی اے اور ڈھول، دو متضاد چیزیں ہیں۔" عمیر کہیں قریب ہی بیٹھا تھا۔

"جی جناب! ایم' بی' اے ڈھول بجانے سے نہیں روکتا۔"

ڈھول اپنے سامنے رکھ کر اس نے ہاتھ مارا۔ تھاپ ہی ایسی تھی کہ سب چونک گئے۔

"کیسا؟" اس نے فاتحانہ انداز سے سب کی طرف دیکھا۔ اور باقاعدہ بجانے لگی۔ اور سب اتنا شاندار ڈھول بجانے پر تالیاں بجانے لگے۔

"کہاں سے سیکھا بھئی؟ اسٹڈی کے بہانے یہ سب تو نہیں سیکھتیں؟" سب باقاعدہ پیچھے پڑ گئے۔

"اب ایسی اندھی بھی نہیں لگ رہی۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

امی نے اُسے دور سے دیکھا، اور دل مسوس کر رہ گئیں۔ تمام گوری گوری سفید سفید لڑکیوں کے درمیان وہ کتنی کالی لگ رہی تھی۔ اور لڑکیاں گا رہی تھیں۔

گورے رنگ کا زمانہ کبھی ہوگا نہ پرانا
گوری ڈر تجھے کس کا ہے
تیرا تو رنگ گورا ہے

"کاش۔ کاش!" وہ باہر کی طرف مُڑ گئیں۔

شادی والے دن اس نے ریڈی میڈ سوٹ ہی پہنا تھا۔ اس کا کلر سب سے خوبصورت تھا، رنگوں کی جوالس میں وہ مہارت رکھتی تھی۔ اور ویسے بھی وہ ہر رنگ کو استعمال کرتی تھی۔ کبھی کسی ایک رنگ پر اکتفا نہیں کرتی تھی۔

اپیا کی شادی میں زرین بہت پیاری لگ رہی تھی۔ ایک تو وہ تھی ہی خوبصورت، اوپر سے خوبصورت لباس اور میک اپ نے اسے دو آتشہ کر دیا تھا۔ یہیں وہ ابّو کے دوست کے بیٹے کو پسند آ گئی۔

اپیا کی رخصتی ہو گئی۔ ولیمہ کے بعد شادی کے ہنگامے ختم ہو گئے، تو چند دن کے بعد ہی رضا صاحب اپنے بیٹے گلریز کا رشتہ لے کر آ گئے۔ امی تو پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ یہ رشتہ ان کی توقعات سے بڑھ کر تھا۔ اور پھر خاندان میں زرین کے جوڑ کا کوئی تھا بھی نہیں، جو تھے وہ اپنا کیریئر بنانے میں مصروف تھے۔ سو باہمی مشورے سے یہ رشتہ قبول کر لیا گیا۔

ہنس مکھ سے گلریز بھائی اسے بھی بہت پسند آئے۔ زرین کے رشتے کا سب سے زیادہ دکھ چچی جان کو ہوا۔

"بھابی! زرین کے لیے تھوڑا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا؟" انہوں نے کہہ ہی دیا۔

"بیٹیوں کی شادیاں جتنی جلدی ہو جائیں، اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ پھر ابھی آپ کا عمیر پڑھ رہا ہے۔ اُسے اپنے پیروں پہ کھڑا ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔" انہوں نے رسان سے سمجھایا۔

"ساری عمر تو نہیں لگ جاتی ناں۔" انہیں سخت غصہ تھا۔

"غصہ کس بات کا امینہ؟ ابھی خیر سے میری دو بیٹیاں اور تین بیٹے باقی ہیں۔" انہوں نے پیار سے انہیں تسلی دی۔

"زرین کی بات اور تھی بھابی! وہ میرے عمیر کو پسند بھی تھی، پھر فریحہ اُس سے بہت چھوٹی ہے۔" اور امی کے دل کو ایک جھٹکا سا لگا۔

"امینہ! تم کیسی بات کرتی ہو۔ فریحہ سے بڑی قرینہ بھی ہے۔"

"کیسی بات کرتی ہیں آپ بھابی! میرے عمیر اور قرینہ کا کیا جوڑ۔ نہ عادات نہ صورت۔" انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

"پھر وہ عمر میں بھی بہت چھوٹی ہے۔" آخری جواز بہت کمزور تھا۔

اور ان کا دل رو رہا تھا۔ خاندان میں ان کی بیٹی

[illegible] کے لیے پہلا انکار ہو گیا تھا۔ اور پتا نہیں [illegible] انکار قسمت میں لکھے تھے۔

بہر حال زرین کو عزیزوں میں دینے کا رضیہ بانو [illegible] اثر تھا۔ اور انہوں نے صاف کہہ دیا تھا [illegible] اب نہ تمہیں اپنی بیٹی دوں گی، اور نہ لوں گی۔ [illegible] کی بات ختم ہو چکی تھی اور دینے میں ابھی [illegible]

زرین کی منگنی ہو گئی۔ وہ اس رشتہ پہ بہت [illegible] تھی۔ آج کل وہ گلریز کے حوالے سے خواب [illegible] تھی۔ زرین فیشن کی دلدادہ تھی۔ اسے [illegible] سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ قرینہ کے آج کل [illegible] کے ایگزام ہو رہے تھے۔ اور وہ دل جمعی [illegible] پڑھائی میں مصروف تھی۔ ایم۔ بی۔ اے اس [illegible] بہت کشش رکھتا تھا۔ اور وہ ابھی اپنی [illegible] کی پہلی سیڑھی پہ کھڑی تھی۔

اس کے پیپر بہت شاندار ہوئے تھے کسی بات [illegible] اسے فکر نہیں تھی۔ ایگزام سے فراغت کے [illegible] اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پورے گھر کی صفائی کروائی۔ پورا گھر ماسیوں کے رحم و کرم پہ تھا۔ اپیا اپنی نگرانی میں صفائی کرواتی تھیں۔ زرین [illegible] نہیں تھی۔ جگہ جگہ جالے لگ گئے تھے، سارا [illegible] صاف کیا۔ ڈرائنگ روم کی ترتیب بدل [illegible]۔ شام کو وہ پائپ لگا کر کاریڈور کی دیواریں [illegible] رہی تھی کہ ابّو آ گئے۔

"واہ لگتا ہے۔ امی نے نئی ماسی رکھ لی ہے۔" عامر نے چھیڑا۔ آج کل وہ فارغ تھا۔ اس لیے [illegible] اس کو آفس لے جاتے تھے۔ اس سے پہلے آذر بھائی جاتے تھے۔ ان کی تعلیم مکمل ہو گئی۔ تجربہ بھی ہو گیا ان کو نئی برانچ کھول دی۔ یہی ارادہ ان کا عامر کے لیے تھا۔ خود عامر کا رجحان بھی بزنس کی [illegible] تھا۔ ہاں عادل کا شوق مختلف تھا۔ اس نے [illegible] جوائن کی تھی۔ آج کل وہ ہاسٹل میں رہ رہا تھا۔

قرینہ جلدی سے نیچے اتر گئی۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ابّو! دیکھیں۔ اس کی شکل اپنی قرینہ سے نہیں ملتی؟" وہ باز نہیں آیا۔

"بُری بات بیٹا! بہنوں کو ایسا نہیں کہتے۔"

"اوہ! یہ قرینہ ہے۔" وہ ہونٹ دبا کر ہنسا۔ "مگر اپنی ماسی کی شکل کتنی ملتی ہے، قرینہ سے۔ اس کے گھر والے لینے آئیں تو وہ بھی دھوکا کھا جائیں۔ کیوں ابّو۔؟"

گواہی بھی وہ ابّو سے ہی مانگ رہا تھا، اور ابّو ہنس رہے تھے۔

"میرا خیال ہے یہ کاریڈور پہلی دفعہ دُھل رہا ہے۔"

"جی ابّو! ایگزام ختم ہوئے تھے، سوچا دھو ہی لوں، اگرد بہت تھی۔ دیواروں پر۔"

"شاباش بیٹا! آپ نے بہت اچھا کیا۔" ابّو اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھ گئے۔

"لڑکی۔!" عامر اس کے قریب آیا۔

"گھر کے ساتھ اگر شکل بھی چمکا لو، تو کوئی بُرا نہیں ہے۔"

"کیا۔ کیا؟" اس نے پائپ کا رُخ عامر کی طرف کر دیا۔ اور عامر بچاؤ، بچاؤ چیختا ہوا اندر بھاگا۔ شکل کا کمپلیکس میری صلاحیتیں نہیں چھین سکتا۔

وہ دوبارہ کاریڈور دھونے لگی۔ وہاں سے نکلی تو لان کی دیواریں دھو دیں۔ پودوں، درختوں کو نہلا دیا۔ خشک گھاس کو سیراب کر دیا۔

روش دھوتی ہوئی وہ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی، چلو اس بہانے گیٹ بھی دُھل جائے گا۔ ہارن پر رُکنا پڑا۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔

آذر بھائی کی گاڑی اندر آ گئی۔

"مارے گئے۔" ان کے غصے سے جان نکلتی تھی۔ حالانکہ کبھی اس کو کچھ نہیں کہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" ان کا موڈ خوشگوار تھا۔

"صفائی کر رہی تھی بھائی جان۔" اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"کیوں آج ماسی نہیں آئی کیا؟"

"آئی تھی بھائی جان! وہ گھر دھونا تھا نا اس لیے۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔ ورنہ تو اس گھر کو بارشیں ہی دھوتی ہیں۔"

وہ آگے بڑھ گئے۔ عجیب سی بات تھی۔ وہ شانے اُچکا کر رہ گئی۔

اور پھر پہلے اس نے سفید گاڑی دھوئی، پھر ابو کی گاڑی کو بھی چمکا دیا۔ عامر کی بائیک پر بھی پانی ڈال دیا۔ کیا یاد کرے گا۔

گیٹ دھو کر اندر آ رہی تھی کہ عمیر آ گیا۔

"ماشاء اللہ کیسا سلیقہ ہے۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔" پائپ رول کرتی وہ اندر آنے لگی۔

"لگتا ہے پیپر ختم ہو گئے ہیں۔"

"نہ صرف ختم۔ بلکہ بہت اچھی طرح ختم ہو گئے ہیں۔" اس کا لہجہ فخریہ تھا۔

"میری مدد کی ضرورت نہیں پڑی؟"

"میں کسی سے مدد بہت کم لیتی ہوں عمیر بھائی! اشد ضرورت کے تحت ویسے بھی مجھے مدد لینے کی بجائے دینا زیادہ پسند ہے۔ آپ کو ضرورت ہو۔"

"جی نہیں۔ میں بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"پھر تو آپ منہ دھو رکھیے۔" وہ آگے بڑھ گئی، پائپ لے کر۔

"یہ لڑکی کبھی اپنے پیروں پر پانی نہیں پڑنے دے گی۔" اُس نے گہرا سانس لے کر جاتی ہوئی قرینہ کو دیکھا۔ قرینہ جس کی زندگی کے ہر کام میں قرینہ تھا۔ نمکین حسن والی قرینہ باسط علی۔

خیر ابھی تو دِلی دور ہے۔ بتا دوں گا تمہیں بھی وہ سیٹی پر دھن بجاتا اندر چلا گیا۔

سانولی سلونی سی محبوبہ
تیری چوڑیاں شٹرنگ کر کے
جانے کیسی آس دلائیں

آج کل اس کے پاس ٹائم ہی ٹائم تھا، گھر کی مکمل صفائی کے بعد آج کل وہ کچن کی صفائی میں لگی ہوئی تھی۔ خانساماں کا کام بس کھانا پکانا ہوتا تھا۔ باقی تو سارے کام گھر والوں کو کرنے ہوتے تھے۔ اپیا ہی سارے کام کرتی تھیں۔

زرین کو کسی کام سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔

کچن کی صفائی کر کے اس نے زندگی کی پہلی ڈش چکن کڑھائی بنائی، ترکیب دیکھ کر۔

"آج تو کچن کی خیر نہیں۔" زرین پانی پینے آئی۔

"کیوں بھئی، بلکہ آج تو کچن نکھرا ہے؟" پیاز کاٹتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"اور یہ تم پکا کیا رہی ہو۔؟" اس نے پتیلی میں جھانکا۔

"چکن خراب کرنے کا ارادہ ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں بہت مزیدار چکن بناؤں گی۔"

"کہہ تو ایسے رہی ہو، جیسے ہمیشہ پکاتی آ رہی ہو۔"

"نہیں آ رہی تو کیا ہوا۔ پکاتی تو رہوں گی نا۔ ویسے بھی کم سے کم لڑکیوں کو کھانا پکانا آنا چاہیے۔"

"کیوں کیا سارے خانساماں ہڑتال کر دیں گے؟"

"جی نہیں۔ میں لڑکیوں کے ہنر کی بات کر رہی ہوں۔"

"مجھے صرف کھانے کا شوق ہے، پکانے کا نہیں۔ باورچی زندہ باد۔ ویسے بھی دھوئیں سے میری جلد خراب ہو جاتی ہے۔ گرمی برداشت نہیں ہوتی۔" اس نے بڑی نزاکت سے چہرا تھپتھپایا اور باہر نکل گئی۔

"تمہاری جلد کو سسرال جا کر پتا چلے گا۔" قرینہ نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"ارے تم کیا کر رہی ہو؟" امی اچانک کچن میں آ گئیں۔

"کچھ نہیں امی۔! ذرا میں چکن کڑاہی بنانا سیکھ رہی تھی۔"

"باولی ہو گئی ہو کیا؟ جل وَل جاؤ گی۔ ہٹو یہاں سے، خانساماں کو کہہ دینا تھا۔"

امی کو اس کی جِلد کا بڑا خیال تھا۔

"بس امی! تیار ہو گیا ہے۔ کھا کر بتایئے گا۔"

"اور لڑکیوں کے ہاتھ پہلی دفعہ تو جلتے ہیں۔ مگر دیکھیے میرے نہیں جلے۔"

اس نے اپنے ہاتھ سامنے کیے۔ امی کو [illegible] پیار آ گیا۔

"بیٹا! تمہاری عمر نہیں ہے ابھی۔ تم صرف پڑھا کرو۔"

"امی کھانا پکانے کے لیے کوئی عمر نہیں ہوتی۔ غریبوں کی بیٹیاں تو بہت چھوٹی سی عمر میں ہی پکانا شروع کر دیتی ہیں۔ میں تو پھر بھی انٹر میں ہوں۔"

امی سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی، اور سالن کو دم دے کر وہ تمام بکھری چیزیں بھی سمیٹ رہی تھی۔ پیاز کے چھلکے ڈسٹ بن میں ڈالے۔ بہت صفائی سے اس نے کام کیا تھا۔ امی [illegible] کر رہی تھیں۔

ساتھ ہی امی کا ہاتھ پکڑ کر باہر آ گئی۔

"ابو! خانساماں تبدیل کر دیا ہے۔ چکھ کر بتایئے۔ کیسی بنی ہے۔" اس نے ڈش ابو کے آگے کی۔

"خانساماں نے صرف ایک ہی ڈش بنائی ہے؟"

آذر بھائی نے دوسری ڈش اٹھائی۔

"بطور ٹرائی ایک ہی ڈش بنوائی ہے۔" وہ ابو کی طرف متوجہ تھی۔

"واہ بھئی واہ۔ مزا آ گیا۔" ابو نے ایک نوالے کے بعد دوسرا نوالہ لیا۔ "اس خانساماں کو ہمیشہ کے لیے رکھ لو۔"

ابو کی تعریف سن کر سب نے ڈش کی طرف ہاتھ بڑھائے۔

سب کو چکن کڑاہی پسند آیا تھا۔ اس کی خوشی قابلِ دید تھی۔

"ابو! میں نے بنایا ہے یہ۔"

"کیا۔؟" سب کو حیرانی ہوئی۔

"بہت مزے کا ہے۔" آذر بھائی نے بھی تعریف کی۔

اور اس کا سیروں خون بڑھ گیا۔

"یقین نہیں آ رہا بھئی۔" آذر بھائی کو یقین نہیں تھا۔

"یہ اسی نے پکایا ہے بھائی جان! اس کا رنگ ڈھنگ اس سے ملتا ہے۔" عامر کو یقین تھا۔

"چلیں۔ اب کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے قطعاً بُرا نہیں مانا۔

"نمک کم ہے۔" زرین کو اس کی تعریف پسند نہیں آئی۔

"نمک اور ڈالا جا سکتا ہے مگر زیادہ کو کم تو نہیں کیا جا سکتا۔" اس کے لہجہ میں بے نیازی تھی۔

اس نے کسی بات کا بُرا ماننا تو سیکھا ہی نہیں تھا، ہر بات پر وہ بھوتنے والی مسکراہٹ استعمال کرتی تھی۔

اور پتا نہیں زرین کو اس سے کیا دشمنی تھی جلن تھی، حسد تھا۔ کہ وہ طنز کا کوئی پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

خاص طور پر اس کا رنگ اس کا نہیں بلکہ زرین کا کمپلیکس تھا۔ آتے جاتے اس کے رنگ پر چوٹ الگ۔ اس کے ہر کام میں نقص الگ۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ زرین آخر چاہتی کیا ہے۔

مطلب کے وقت وہ بہت میٹھی بن جاتی تھی۔ اس کی بھرپور کوشش ہوتی تھی، کہ زرین سے سامنا کم سے کم ہو، تاکہ وہ جل بھن کر اپنا رنگ کالا نہ کرے۔

آج کل وہ فارغ تھی۔ اس نے کٹنگ انسٹیٹیوٹ میں ایڈمیشن لے لیا۔ اپنی چھٹیوں کو وہ کبھی ضائع نہیں کرتی تھی۔

"جب درزی ہے تو کیا ضرورت ہے کہ خود بھی کٹنگ سیکھی جائے۔" زرین نے ناک بھوں چڑھائی۔

"مجھے سلائی کرنا اچھا لگتا ہے۔" اس نے گراف بناتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"تمہارے اندر سارے شوق غریبوں والے ہیں۔"

"انسان ہمیشہ امیر نہیں رہتا۔ زندگی میں مدوجزر آتے رہتے ہیں۔ پھر آج کل کپڑوں کی سلائی اس قدر مہنگی ہے کہ بس۔" وہ اپنا کام بھی کرتی جا رہی تھی۔

"تو تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم تو ہمیشہ ریڈی میڈ خریدتی ہو۔"

"ہاں جب سینا آ جائے گا تو خود سیا کروں گی۔"

زرین ناک چڑھاتی چلی گئی، اور قرینہ دوبارہ گراف بنانے لگی۔

قرینہ بہت تیزی سے کچن میں سویٹ ڈش بنانے میں مصروف تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ امی کو

خیر نہ ہو، اور وہ جلدی سے بنا لے۔
امی کسی کام سے کچن میں آئیں تو وہیں ٹھٹھک گئیں۔
"یہ تم اتنی دوپہر کو کیا کر رہی ہو؟"
"امی! کچھ نہیں، وہ آذر بھائی کو سویٹ ڈش پسند ہے نا، تو وہ اس لیے۔"
"کیا اس لیے۔ تمہی کبھی پکا لیا۔ ٹھیک ہے۔ یہ روز روز تم کیا پکانے بیٹھ جاتی ہو۔ ایک تو گرمی، اوپر سے چولھے کے آگے کھڑی رہو گی، تو چند دن بعد سیاہ فام لگو گی۔"
"امی! کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بھی تو انسان ہوتے ہیں اور اللہ نے کسی انسان کو برتری رنگ کی وجہ سے تو نہیں دی۔" اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔
اور یہ عجیب بات تھی کہ اس قسم کے جملے اسے ہرٹ نہیں کرتے تھے۔
"اچھا بس۔ میں نے تمہیں لیکچر دینے کے لیے نہیں کہا۔ چلو باہر نکلو۔"
"امی! بس فائنل ٹچنگ رہ گئی ہے۔"
اس نے جلدی جلدی اسٹرابری ٹرائفل کے سائیڈوں پر لگائی۔ درمیان میں جیلی کا پھول رکھا اور ڈش اٹھا کر فریج میں رکھ دی۔
"میرا کام ختم۔" اس نے ہاتھ جھاڑے۔
امی اس کے ساتھ ہی باہر آ گئیں۔
"امی! کام بھی ایکسرسائز ہوتی ہے ایک طرح سے۔ انسان ایکٹیو رہتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا، اور اپنے کمرے میں گھوم گئی۔
اور امی کچھ سوچتی ہوئی اندر کی طرف مڑ گئیں۔

زرین اپنی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ زرین اور ہما مل کر امی کے ساتھ جاتی تھیں۔ یا کبھی کبھی فریحہ بھی چلی جاتی تھی۔
اپیا آج کل جواد بھائی کے ساتھ ہنی مون کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ اور آپی کے وہی معمولات تھے بیٹے نے انہیں خاصا مصروف کر دیا تھا۔
رات کے کھانے پر ٹرائفل سب کو پسند آیا۔
"مستقبل کی بہترین کک" ہونے کی سند بھائی جان نے دے دی۔
اسی وقت عمیر بھی دلشاد کے ساتھ آ گیا۔
"آہا ٹرائفل۔" اُسے ہمیشہ ہی سویٹ ڈش پر ٹوٹ کر پیار آتا تھا۔
"کھاؤ اور داد دو اپنی قرینہ بی بی کو۔"
"بس تو پھر اتنی خوبصورت ڈش سجا سکتا [illegible] ہوا ہوگا۔" اس نے ریمارکس دے کر پلیٹ [illegible]
دلشاد نے بھی اس کی تقلید کی۔
"واہ بھئی واہ! اپنی قرینہ بی بی تو ماسٹر ہو گئی ہے۔" دلشاد بھائی ہر کسی کی تعریف ہمیشہ ہی [illegible] کرتے تھے۔
"اب کیا کروں۔ ٹرائفل کیسی بھی ہو، کیسا بھی [illegible] مجھے ہمیشہ ہی اچھا لگتا ہے۔"
عمیر، اور قرینہ کی تعریف کر دیتا، سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نہیں نکل آتا۔
"عمیر بھائی کو کچھ نہیں پسند آ سکتا بس۔" قرینہ [illegible] کھڑی ہو گئی۔
"ویسے بھی ابو اور بھائی جان کے بعد مجھے اور کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کہا اور ابو کے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔
اور جب اس کی کلاسیں دوبارہ شروع ہوئیں [illegible] وہ کٹنگ میں اچھی خاصی ماہر ہو چکی تھی۔ اپنے [illegible] سارے موسم کے سوٹ اس نے خود ہی سی لیے تھے۔ فریحہ نے بھی اپنے دو سوٹ اس سے سلوائے تھے۔
دوبارہ پڑھائی نے اسے خاصا مصروف کر دیا تھا۔ خاندان میں تو وہ کتابی کیڑا مشہور ہی تھی مگر جب عادل آتا تو وہ اس کی ڈھیروں ڈھیر کتابوں کو بند کر دیتا تھا۔ پھر وہ ہوسٹل کے سارے قصے اس کو سناتا۔ اس کی ساری باتیں سنتا تھا۔ کئی پروگرام بنتے تھے۔ کہیں بھی جانا ہوتا، اسے عادل موٹر [illegible] پورے کر جاتا تھا۔ ویسے وہ ہر جگہ جانے سے گریز [illegible] رہتی تھی۔ لوگوں کی نظریں اسے الجھن میں مبتلا کرنے لگتی تھیں۔
"ارے واقعی زرین! یہ تمہاری بہن ہے؟"
"کوئی شک ہے کیا؟" اس کا لہجہ دبا دبا ہوا تھا۔
"مگر اتنا تضاد۔ سوتیلی لگتی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"
اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ لوگوں کو کیا [illegible] ہے۔ جب اسے کسی بات کا احساس نہیں [illegible] لوگ کیوں احساس دلاتے ہیں۔
اس قسم کے جملے زرین اور فریحہ کو زیادہ ہرٹ کرتے تھے۔ سو وہ جانے سے گریزاں ہی رہتی تھی۔
امی کا ارادہ تھا کہ زرین کی شادی میں آذر بھائی جان کی بھی منگنی کر دی جائے۔ شادی ایک [illegible] سال میں ہو جائے گی، ان کے لیے وہ لڑکیاں [illegible] کر رہی تھیں۔
"امی! سیدھی سادی بات ہے بھائی جان کی کوئی [illegible] پسند ہو گی۔"
"اس کی کوئی پسند ہوتی تو میں کیوں خاک چھانتی۔"
"پھر آپ خاندان میں ہی لڑکیاں دیکھ لیں۔"
"تزئین تو بہت خوبصورت ہے۔ ماہ رخ کے [illegible] کس قدر لانبے ہیں، غزال تو اپنے نام کی طرح [illegible] غزال ہے۔"
قرینہ جانتی تھی۔ امی خاندانی حسن پر جان دیتی ہیں۔
"میری بہو تو چندے آفتاب، چندے ماہتاب ہوگی۔"
امی کی نظر چاند پر تھی، اور وہ شاید نہیں جانتی [illegible] کہ چاند دور سے ــــ کتنا خوبصورت نظر آتا ہے، مگر درحقیقت اس کے اندر بڑے بڑے [illegible] کے سوا کچھ نہیں ہے۔
"اور امی! اگر آپ کی بہو قرینہ کی ہم شکل ہوئی تو ــــ؟"
عامر اچانک آ کر ایسے ہی چٹکلے چھوڑتا تھا۔
"خدا نہ کرے عامر! ہمیشہ ہی اول فول بکنا۔ میری پہلی بہو اس طرح کی ہو سکتی ہے۔" امی کو بے اختیار اس پر غصہ آ گیا۔
بات بالکل بے ساختہ تھی۔ قرینہ سن بیٹھی رہ گئی۔ امی نے کیا کہہ دیا۔ امی اسے اتنا ناپسند کرتی ہیں۔
اس کی رنگت نے اس کی باقی دوسری خصوصیات پر پردہ ڈال دیا۔
ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، مگر آج آئینہ کے سامنے کھڑی وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتی رہی۔
کیا ہو گیا ہے لوگوں کی ذہنیت کو۔ وہ صرف دوسروں کی عقل پر ماتم کر سکتی تھی۔ لوگوں کی سطحی سوچ پر اسے افسوس ہوتا تھا۔
ہزاروں لڑکیوں کا رنگ اس جیسا تھا تو کیا وہ سب بدصورت تھیں۔
نہیں بالکل نہیں۔ اس نے خود ہی نفی کر دی۔
ہر انسان کو اللہ نے خوبصورت اور بے بہا خوبیوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، مگر کہیں خوبیاں آشکارا نہیں ہوتیں۔ اور کہیں خوبی دیکھنے والے کی نظر میں نہیں ہوتی۔
اور قرینہ باسط علی کی نظر میں حسن کردار میں پوشیدہ تھا۔ صلاحیتوں میں پنہاں تھا۔ دیکھنے والوں کی نظر میں ہوتا ہے۔
مگر افسوس لوگ اسے چہروں میں تلاش کرتے ہیں۔

آذر بھائی کے لیے بھی امی کی تجربہ کار نظروں نے گوہر نایاب تلاش کر لیا۔
بے تحاشا حسن کو سمیٹے ہوئے نتاشا رحمٰن ابو کے بھائی کی بیٹی جو لندن میں رہتی تھی۔ رحمٰن چچا کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ کبھی وطن آ کر رہتے۔ ان کا بزنس بہت پھیلا ہوا تھا۔ ان کی فیملی بھی مدتوں سے وہیں قیام پذیر تھی۔
امی نے نتاشا کو تصویروں میں دیکھا تھا۔
اس کا حسن چاند کو بھی شرماتا تھا۔
آذر بھائی بھی کم خوبصورت نہ تھے۔ ان کا پرپوزل قبول کر لیا گیا۔
منگنی کے لیے وہ لوگ آ نہیں سکتے تھے۔ فون پر بات پکی ہو گئی۔
ایک یا دو سال میں وہ لوگ آ کر شادی کر لیتے۔
اس بہانے وہ سب اپنے چچا سے بھی مل لیتے۔
زندگی کے معمولات یونہی جاری و ساری تھے۔
اس نے آئی کام میں فرسٹ ڈویژن لی تھی۔ آج کل

وہ بی کام کی کلاسیں اٹینڈ کر رہی تھی۔

انہی دنوں زرین کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ امی نے زرین کے جہیز کے ساتھ ساتھ قرینہ کے لباس پر خصوصی توجہ دی۔

"امی! میں اتنا زرق برق عورتوں والا لباس نہیں پہن سکتی۔"

"قرینہ! تمہاری بہن کی شادی ہے۔ یہ سب پہننا پڑے گا۔ اور پھر زرین کے بعد تمہارا نمبر ہی ہے۔"

"اس لباس سے میرے نمبر کا کوئی تعلق نہیں ہے امی! پہلے بھی میں نے اپنے پسند سے ہی کپڑے بنوائے ہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

اور امی اس کے اس طرح صاف انکار سے چڑ جاتی تھیں۔

"امی! میں آپ کا مقصد سمجھتی ہوں، لیکن جس نے پسند کرنا ہو گا۔ مجھے اسی طرح سے کرے گا۔" وہ کہتی ہوئی چھپاک سے باہر نکل گئی۔

"ہماری بیٹی بہت سمجھ دار ہے بیگم! ذہانت اس کی اضافی خوبی ہے۔" ابو باتھ روم سے باہر آئے تھے، اور ہنس رہے تھے۔

"آپ بھی اس کے ساتھ مل جاتے ہیں، پاگل بنا کر رکھ دیا ہے قرینہ نے مجھے۔ اوپر سے آپ۔" امی نے سارا غصہ انہی پر نکال دیا۔

"بیگم! آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ کی بیٹی کسی کمپلیکس میں مبتلا نہیں ہے۔ ورنہ آپ نے کوشش تو بہت کی۔"

"میں ماں ہوں اس کی۔ کیا برا چاہوں گی اس کا۔ امینہ نے انکار کر دیا ہے کہ تم نے مجھے زرین نہیں دی۔ میں اب کسی بیٹی کو نہیں لوں گی۔ صالحہ آپا نے اپنے عدیل کے لیے فریحہ کو ابھی سے مانگ لیا ہے، اور فیروزہ بھابی مجھے سنا گئی ہیں کہ ان کے تینوں بیٹے اپنی پسند سے شادی کریں گے۔ میں ان پر زور نہیں ڈال سکتی۔" امی کا لہجہ رونے والا تھا۔

"تو تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔" ابو کا لہجہ سمجھانے والا تھا۔

"خاندان کے سارے لڑکے تقریباً قرینہ سے چھوٹے ہیں، مگر سب کو فریحہ نظر آتی ہے۔ قرینہ کا کسی نے نام نہیں لیا۔"

"تم بھی ذرا انصاف سے کام لو، اپنے بیٹے کے لیے تم چاند کا ٹکڑا ڈھونڈ رہی تھیں۔ اسی طرح سے ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بیٹے کی دلہن چاند جیسی ہو، تم ان کا یہ حق نہیں چھین سکتیں۔"

"مگر قرینہ کا کیا ہو گا۔ بی کام کر رہی ہے۔"

"اس کا بھی ہو جائے گا۔ تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ میری سب سے پیاری بیٹی ہے وہ۔" ان کے لہجہ میں محبت تھی۔

انہیں احساس ہوتا تھا کہ اپنے تمام بچوں میں انہیں قرینہ سب سے پیاری ہے۔ کیوں۔۔؟ وہ اس بات کا جواب نہیں دے سکتے تھے وہ۔ لیکن یہ قدرتی بات تھی کہ وہ ان سے بہت کم کم بات کرتی تھی۔ خوامخواہ ہی ان کے پاس آ کر نہیں بیٹھتی تھی نہ ہی ان سے کسی قسم کی کوئی فرمائش کرتی۔ اگر وہ ذہن پر زور دیتے تو وہ انگلیوں پر گن سکتے تھے کہ اس نے کتنی دفعہ فرمائش کی ہو۔ اپنی کوئی ڈش کوئی لباس جب وہ بطور خاص انہیں دکھاتی تو ان کو بے انداز خوشی ہوتی تھی۔

زرین کی شادی ہی میں عامر کو ماہا پسند آ گئی۔ زرین کی شادی میں ہی اس نے نوٹ کیا کہ عمیر اس میں زیادہ ہی دلچسپی لے رہا ہے۔ بے اختیار وہ ہنس دی۔

"آج ہے میری تو کل تیری باری او سہیلی" عمیر کے ارد گرد اتنا حسن بکھرا ہوا تھا کہ قرینہ کو یقین آ ہی نہیں سکتا تھا۔

"منہ کا ذائقہ تبدیل کر رہے ہوں گے صاحبزادے" اس کی پھوپھی زاد مہوش اور شہوار تو ہاتھ لگاؤ اور میلی ہونے کے مصداق حسین تھیں۔

تو کیا ان کی خواہش نہیں ہو گی کہ ان کی بھابی خوبصورت ہو۔

"قرینہ! آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" ولیمہ

[...]ون عمیر رہ نہ سکا۔

"شکریہ عمیر بھائی۔" وہ مسکرا کر خود کو دیکھنے لگی۔

"آپ بھی کچھ کم جمیل نہیں لگ رہے۔ میری دوست [...] نے آپ کو پسند کیا ہے، عنقریب آ رہی [...] رشتے کر۔"

"[...] کیا۔۔؟" عمیر بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

"[...] دوست کی امی۔"

"میری دوست کی امی اپنی بیٹی کے لیے۔"

"اوہ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" اس نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"ویسے میری طرف سے انکار بھجوا دینا مشتری [...] کر۔ ابھی ہم اتنے ایڈوانس نہیں ہوئے [...] لڑکیوں کے پروپوزل قبول کریں۔"

"اف۔ اللہ! اتنا پڑھ لکھ کر بھی کتنی سطحی سوچ ہے آپ کی۔ آپ کسی کو پسند کر کے رشتہ بھیج سکتے ہیں تو کیا کسی لڑکی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی پسند [...] حاصل کرے، پھر ماہتاب تو ہے ہی مہوش کی طرح سے خوبصورت۔" اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"مگر ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔ بتا دینا۔ اپنی [...] آفتاب ماہتاب قسم کی دوست کو۔ یہ دل سیاہ گھنگھور گھٹاؤں کا اسیر ہو چکا ہے۔"

عمیر نے اس کے کھلے بالوں کو بھرپور نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

"عمیر بھائی! اس کے بال بھی بہت لانبے ہیں۔" [...] پیچھے سے چیخی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ دور سے چیخا۔

اور وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

امینہ پھپھو نے بہت غور سے یہ منظر دیکھا۔

انہیں اپنے ہاتھ سے عمیر نکلتا ہوا نظر آیا۔ ان کے [...] کے غصے میں جلی ہوئی کھرچن آ گئے۔ یہ وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ بھلے بھائی کی اولاد کیوں نہ ہو، کچھ بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ دل میں پکا ارادہ کر کے انہوں نے پورے ہال پر طائرانہ نظر ڈالی۔۔۔ اس وقت خاندان کی تمام لڑکیاں جمع تھیں۔ ان کی نظر انتخاب اپنے بھائی کی بیٹی روا پر ٹھہر گئی۔ ماشاءاللہ وہ زرین کی طرح ہی خوبصورت نکل رہی تھی۔ ناک کی لونگ دور سے چمک کر راستہ دکھا رہی تھی۔

مہوش اور شہوار سے نہیں رائے لی انہیں بھی روا بہت پسند آئی۔

"امی! عمیر سے بہت چھوٹی ہو گی۔"

"تو کیا ہوا، لڑکوں کی عمریں نہیں دیکھی جاتیں۔" انہیں یقین تھا۔ کچھ اپنی بھابی کو بھی نیچا دکھانا تھا۔

زرین کی شادی بخیر و خوبی ہو گئی۔ کسی کی نگاہ انتخاب اس پر نہ ٹھہری۔ مگر اسے مطلق پروا نہ تھی۔ پھر وہ اس وقت شادی ایسے بندھن میں بندھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے پڑھنا تھا۔ بہت پڑھنا تھا۔

اور عادل اس سے کہہ رہا تھا۔ "میرے لیے جلدی سے لڑکی پسند کرو، میس میں کھانا کھا کھا کر تھک گیا ہوں۔"

"برخوردار! یہ امی کا ڈیپارٹمنٹ ہے امی جانیں اور ان کا کام۔"

"جی نہیں، عامر نے بھی خود پسند کی ہے۔"

"تو تم بھی یہ معرکہ سر کر لو۔" وہ صاف پہلو بچا گئی۔

"میں یہ معرکہ، بندوق تمہارے شانوں پر رکھ کر سر کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے شانے فالتو کے نہیں ہیں۔"

"بھئی، کس کو فالتو بنایا جا رہا ہے۔" امی بھی آ گئیں۔

"امی! آپ بھائی جان کی فکر میں لگی ہوئی ہیں۔ میری فکر کریں، جو میس کا کھانا کھا کر دبلا ہو رہا ہوں۔" وہ جھٹ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"قرینہ کو تمہارے ساتھ بھیج دوں۔ کھانا پکا پکا کر کھلائے گی۔"

"جی نہیں۔ میں اتنی فالتو نہیں ہوں کہ ایم بی اے کا شوق بھاڑ میں ڈال دوں۔" وہ اچھل کر پیچھے ہٹی۔

"امی! میری قرینہ جیسی لڑکی سے شادی کر دیں، جو میرے لیے مزے مزے کے کھانے پکائے۔

صاف ستھرا گھر رکھے۔ ڈاکٹروں کی فیس بچائے۔ گھریلو ٹوٹکے جیسے ازبر ہوں۔" وہ آنکھیں موند کر گویا گانا گا رہا تھا۔

"میرے بیٹے کی دلہن تو چاند جیسی ہوگی۔" وہ بے ساختہ بولی تھیں۔ وہ ہنستے ہنستے اچانک چپ ہوگئی۔ امی کے لیے آج بھی وہ بدصورت تھی۔

"امی! چاند کو کبھی غور سے دیکھیے گا۔ خوبصورتی کا بھید کھل جائے گا۔ مجھے زمین کی بیٹی لاکر دیجیے گا، میں فوجی آدمی ہوں کسی حسین صورت کے نخرے نہیں اٹھا سکتا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی چاند کی منہ دکھائی میں مجھے طلاق نامہ دینا پڑے۔ فوجی آدمی ذرا اکھڑ ٹائپ کا ہوتا ہے۔" اس نے صاف بات کہہ دی۔

"کیا اول فول بکتے ہو۔ کیا فوجیوں کی بیویاں خوبصورت نہیں ہوتیں، اور پھر شروع میں تو ہر بیوی نخرے اٹھواتی ہے۔" امی نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "آپ کا بیٹا بہت خوبصورت ہے بقول آپ کے۔"

"اس میں کوئی شک ہے کیا۔؟"

"تو پھر مجھے اپنی خوبصورتی کے گن گانے سے فرصت ملے گی، تو اس کے نخرے اٹھاؤں گا۔ اگر آپ آباؤ اجداد کی عزت کی سلامتی چاہتی ہیں تو پلیز میرے لیے نیک پروین، بالکل قرینہ ایسی، ہاں اس کا اسٹار بھی قرینہ والا ہو۔ یعنی لیو (اسد) میری صرف انہی لوگوں کے ساتھ بنتی ہے۔ ڈھونڈیے گا۔"

"چل ہٹ یہاں سے۔ بالکل پاگل ہوگیا ہے۔" امی اٹھ گئیں۔

اور عادل کے ساتھ وہ بھی ہنسنے لگی۔

"پاگل ہو بالکل۔"

"پاگل سمجھو یا عقل مند۔ بات اپنی کھری ہے۔ مجھے نہیں چاہیے سفید چمڑی۔" اس کا فیصلہ گویا حتمی تھا۔

"اور یہ کام تم کرو گی۔" اس نے تھوپ بھی اس کے سر دیا۔

اس نے کانوں کو ہاتھ لگا لیا۔ امی کا حق وہ نہیں لے سکتی تھی۔

"سفید چمڑی میں نرا بھس بھرا ہوتا ہے۔ نہ کام کے نہ کاج کے، دشمن اناج کے، یا پھر ... پر لیپا پوتی کروا لو۔ بس اور کوئی کام نہیں ہوتا ...

عادل سنجیدہ تھا۔ سارا بچپن اپنی سعنید ... چھوٹی بہنوں کے ساتھ گزرا تھا۔ سونے پر سہاگا ... میں اس کے دوست حمزہ کی بہنوں نے کر دیا ... وہ بھی ماشاءاللہ سے چندے آفتاب چندے ... تھیں۔ کم عادل بھی نہیں تھا۔ جونہی اس نے جا کر حمزہ کے گھر کی بیل بجائی۔ چاند چہرا ستارہ آنکھیں اس کے استقبال کو موجود ہوتیں۔ پھر ان کا گھر بھی خاصا ماڈرن تھا۔ اور لڑکیوں کا یہ چھچھور پن ... پسند نہیں تھا۔ اسے تو بس سمٹی شرماتی۔ سگھڑ ... آپ میں مگن رہنے والی لڑکیاں پسند تھیں۔ ...

اپنی بہنوں میں قرینہ کی عادات سب سے زیادہ پسند تھیں۔ اسی لیے گھر میں زیادہ دوستی اس کی قرینہ کے ساتھ تھی۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے، ضروری نہیں ہے کہ تمام لڑکیاں ایک جیسی ہوں۔ ہاتھ کی تمام انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔"

"ہوں یا نہ ہوں مائی فٹ۔ میں نے سانولی سلونی لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ کسی انگلی سے نہیں، سمجھیں آپ۔ یہ میرا فیصلہ میری اماں جان تک پہنچا دیں۔" وہ ایک دم سے کھڑا ہوا، اس کے سر پر ہاتھ مارا اور باہر نکل گیا۔

سر ہاتھوں پر گرا کر وہ وہیں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

یہ عادل نہ صرف امی بلکہ ابو سے بھی پٹے گا۔ ناسمجھ بچہ ہے۔ امی سوچ رہی ہیں کہ عادل کی بیوی تو میں کشمیریوں سے لاؤں گی۔ اور عادل صاحب۔ وہ گھبراہٹ لے کر کھڑی ہوگئی۔ بلڈوزر پھیر دیں گے امی کے خوابوں پر۔ وہ باہر چلی گئی۔

آج کل پورے گھر پر اس کا راج تھا۔ اسٹڈی سے فارغ ہوتی تو گھر کے کونوں کھدروں میں گھس جاتی تھی۔ روز کی ایک ڈش تو اس کی ذمہ داری تھی ہی۔ امی لاکھ منع کرتیں مگر اس پر ... اثر نہ ہوتا۔ آذر بھائی اور ابو کو ویسے بھی ... ان کے ہاتھ کے کھانے پسند نہیں تھے۔ اور ان ... میں ہمیشہ خانساماں رہا تھا۔ اب انہیں قرینہ ... کے کھانے ملے تو بس ان کی تو عید ہوگئی۔ اس کے ہاتھ میں قدرتی ذائقہ تھا۔ اور کچھ وہ شوق ... پکاتی بھی تھی۔ سونے پر سہاگا ہو جاتا تھا۔ ... عادل آج کل آیا ہوا تھا، اور اٹھتے بیٹھتے فریج ... کھنگالتا۔

"تم بھی سیکھ لو کچھ۔ ہو سکتا ہے تمہارے گھر ... نوکروں کی فوج نہ ہو۔"

جواب میں وہ منہ بنا کر چل دیتی۔

یہ اس کی محنت کا کرشمہ تھا۔ کاریڈور کے ... گملوں سے لپٹی بیلیں بہار کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

اس روز بھی وہ نئی کونپلوں کے سرے باندھ رہی تھی، کہ عمیر آگیا۔

"ماشاءاللہ جس گھر جاؤ گی۔ گھر جنت بن جائے گا۔" ستائشی نظروں سے دیکھا۔

"انشاءاللہ۔" اس کے لہجہ میں فخر تھا۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ وہ گھر میرا ہو تو۔؟" وہ اس کے سامنے ستون کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔

ایک لمحہ کے لیے اس کے ہاتھ رکے۔ کئی دنوں سے وہ کسی ایسے ہی لمحے کی منتظر تھی۔ اور یہ لمحہ آگیا تھا۔ تو اب دوبارہ آنے کے لیے ایسے نہیں جا سکتا تھا۔

"تو پھر میں یہ کہوں گی کہ یہ آپ کی خوش فہمی ہے عمیر بھائی۔!" اس کے ہاتھ دوبارہ چلنے لگے۔

"کیوں کیا میں تمہارا شوہر نہیں بن سکتا؟" اس کا لہجہ شوخ ہوگیا۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔ میرا اٹل ارادہ ایم بی اے کرنے کا ہے۔ اور ہماری چچی جان کو زیادہ پڑھی لکھی بہو چلتر لگتی ہے۔" اس کا لہجہ سرسری تھا۔

"شادی مجھے کرنی ہے، امی کو نہیں۔" بغور اس کا جائزہ لیا۔

"دوسری بات یہ کہ میرے اور آپ کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ جیسے کوئی بات نہیں سکتا، آج آپ کی جذباتی غلطی کل میرے لیے آزمائش بن سکتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ مجھے لو میرج نہیں کرنی چوتھی بات یہ کہ۔"

"کیا ساری باتیں آج ہی کر لو گی؟" اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"ہاں، شاید پھر ایسا موقع نہ ملے۔" اس کے لہجہ میں شرارت تھی۔

"مواقع ہزار، اگر تم چاہو۔ تو۔؟"

"میں کسی کمزور موقع سے فائدہ اٹھانے والی لڑکی نہیں ہوں۔ اور نہ ہی میں کسی ایسے گھر میں جانا پسند کروں گی۔ جہاں میرا درجہ اس ملک کی تیسرے درجہ کی عورت کا ہو۔"

اس نے ذرا پیچھے ہو کر اپنی لگائی ہوئی بیل کو دیکھا، پھر اسے دیکھا جس کی نظریں اس پر سایہ فگن تھیں۔ بے اختیار وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"عورت خواہ کتنی بھی جاہل ہو، مرد کی نظر کو باآسانی پڑھ سکتی ہے۔ مگر قرینہ باسط علی ان نظروں کو پڑھنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے پتا تھا کہ اس راستے پر صرف رسوائیاں ہی حصے میں آئیں گی۔

"میں سنجیدہ ہوں قرینہ! تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری رائے لینے آیا ہوں۔ امی کو آج کل جانے کیا ہوگیا ہے۔ میری شادی کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ کہتی ہیں۔ کم از کم منگنی کر لو۔" اس وقت وہ واقعی پریشان لگ رہا تھا۔

"چچی جان پریشان ہیں تو ٹھیک ہیں کیونکہ انہیں سن فوبیا یعنی بیٹے کا خوف ہوگیا ہے کہ وہ کہیں انہیں چھوڑ کر اپنی پسند کی شادی نہ کر لے۔ آپ کی امی آپ کو کھونا نہیں چاہتیں، ان کا کہا مان کر جنت کما لیں۔ مجھ سے شادی کا خیال چھوڑ دیں، اس لیے کہ انہوں نے آپ کے لیے خوبصورت سی ردا جمال کو پسند کر لیا ہے۔"

"میں تم سے مشورہ لینے نہیں، تمہارا جواب سننے آیا ہوں۔ مجھے تم سے محبت ہے، تمہارا ساتھ۔ تمہارا ہاتھ، تمہاری تمام تر خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ چاہتا ہوں۔ بولو کیا مرضی ہے تمہاری؟" وہ اس کے

سامنے کھڑا جواب مانگ رہا تھا۔
"میرا جواب آپ سن چکے ہیں۔ زبردستی کا سودا مجھے منظور نہیں۔ میری جتنی توہین آپ کی امی نے کر دی ہے اتنی ہی کافی ہے۔" وہ جانے کے لیے مڑی۔
"اور سنیں۔ اپنی امی سے ایک بات اور کہہ دیجیے گا کہ کتاب کا سرورق دیکھ کر اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کتاب کیسی ہے؟" اس کے بعد وہ رکی نہیں۔
عمیر اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کی یہی خودداری، انا، بہادری تو اس کو پسند تھی۔ اسے ایسی ہی بولڈ لڑکی کی ضرورت تھی۔ اور وہ تو بچپن ہی سے اس کے متعلق سوچتا آ رہا تھا۔ وہ نڈھال سا سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

اس کی ماں نے اس کی محبت کی بساط کے سارے مہرے بکھیر دیے تھے۔ کتنی سنگدل تھی اس کی ماں اور کتنی محبت جتاتی تھی اس سے۔
ماں کی محبت کیسے بیٹے کی خوشیاں چھین لیتی ہے۔ ماں کو بیٹے سے محبت ہو سکتی ہے، بیٹے کی محبت سے نہیں۔ اس نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔
رات ہی تو امی نے اس سے کہا تھا "رہ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔ وہ سیاہ چہرے والی میری بہو نہیں بن سکتی۔ دیکھتی ہوں بھابی کہاں بیاہتی ہیں اسے۔ میرے بیٹے زرین کا انکار کیا۔ مجھے قرینہ کے لیے انکار ہے۔"
"امی! زرین مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہی۔ میں نے اسے ہمیشہ شہوار کی طرح سمجھا ہے۔"
"تو بس تم قرینہ کو بھی مہوش سمجھ لو۔" ان کا فیصلہ حتمی تھا۔
"لاحول ولا قوۃ۔" اس نے منہ پھیر لیا۔ "قرینہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔" یہ اس کا فیصلہ تھا۔ وہ ڈھیلے قدموں سے اٹھا اور بغیر کسی سے ملے باہر نکل گیا۔
اور اپنے کمرے سے اس نے سست قدموں سے جاتے ہوئے عمیر کو دیکھا۔
"عمیر بھائی! آپ نے غلط در کھٹکھٹایا ہے۔ آپ کی امی کو میں پسند نہیں۔ مجھے آپ کے گھر والے پسند نہیں، رہی بات محبت کی، تو مجھے آپ کی محبت پر کوئی فخر نہیں۔ ایسی کچی محبت کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اصل اور پائیدار محبت صرف ایک بیوی کو اپنے شوہر سے ہی ہوتی ہے بس۔" اس نے اپنے ذہن کے دریچوں کو بند کر کے کتاب کھول لی۔
ان کتابوں کو نہیں پڑھنا چاہیے، جن سے کچھ حاصل ہی نہ ہو۔

اس کے پیپر بہت اچھے ہوئے تھے۔ ایم بی بی ایس کا خواب لے کر وہ رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی۔
اس روز وہ خانساماں کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔ آج آپی، اپیا اور زرین کی دعوت بھی تھی۔ آذر بھائی کے لیے شادی کی تاریخ مقرر کر لی تھی اور فون پر لندن چچا جان سے بات بھی کر لی تھی۔

امی اب آذر بھائی کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ ابو بھی کہہ رہے تھے کہ اب آذر کی شادی ہو جانی چاہیے۔
"اور کیا، تاکہ پھر عامر ولد بھی سرحدی معاملے شروع کریں۔" عامر نے کالر جھاڑے۔
"اونچی دکان، پھیکا پکوان۔" قرینہ اسے ایسے ہی چھیڑتی تھی۔
"پھیکا ہی ہے نا۔ جلا ہوا تو نہیں۔" وہ اس کے سلونے رنگ پر ایسے ہی چوٹ کرتا تھا۔
جواب میں وہ منہ چڑا دیتی تھی۔ بھائیوں کی چھیڑ چھاڑ اسے بری نہیں لگتی تھی۔
"واہ بھئی واہ! کھانا تو بہت شاندار ہے۔" سب تعریف کر رہے تھے۔
"ہماری قرینہ بیٹی نے پکایا ہے۔" ابو کے لہجے میں محبت تھی۔
"واقعی۔!" گلریز بھائی کو حیرت ہوئی۔
"یقین کیوں نہیں گلریز بھائی؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔
"اس لیے کہ آپ کی بہن نے تو ہمیں کبھی چائے بھی بنا کر نہیں پلائی۔"
ان کے لہجے میں حسرت تھی۔
اس وقت وہ خود کو منوانا چاہتی تو کچھ بھی کہہ کر زرین کی تذلیل کر سکتی تھی۔ اپنے سارے بدلے لے سکتی تھی، مگر نہیں۔ اسے بدلے سے زیادہ معاف کرنا پسند تھا۔
"میں زرین کو چھوڑ جاتا ہوں ایک دو ماہ کے لیے۔ اسے یہاں بھی کچھ سکھا دو۔ سوائے فیشن کرنے کے اسے کچھ نہیں آتا۔" وہ شرارت سے قرینہ کی طرف جھکا اور زرین کو چھیڑ رہا تھا۔
"میرے گھر میں ماشاءاللہ نوکروں کی فوج ہے، مجھے یہ غریبوں والے شوق پالنے کا شوق نہیں ہے۔" اس نے صاف صاف قرینہ پر چوٹ کی۔
"پھر مجھے کس چیز کا کمپلیکس ہے کہ میں یہ سب سیکھوں۔"
وہ پھر اس کی ذات پر چوٹ کر گئی تھی۔ اس نے ہونٹ کاٹ لیے۔ کس قدر خود پسند تھی زرین۔ کتنا ناز تھا اسے خود پر۔

جواد بھائی اور جنید بھائی نے نوٹ کیا کہ قرینہ بجائے جواب دینے کے اپنے ابو کی طرف مڑ گئی تھی۔ جواد کو زرین کی یہ بات سخت بری لگی تھی۔
کتنا ناز تھا اسے اپنے گورے رنگ پر، جو نہیں جانتی تھی، کہ ظاہری حسن سے زیادہ باطنی حسن اہمیت رکھتا ہے، اس وقت زرین سے زیادہ قرینہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے کرتے شلوار میں شانوں پر دوپٹہ گرائے سب کو فرداً فرداً پوچھتی ایک خوبصورت سی فرشتوں ایسی مسکان ہونٹوں پر سجائے اپنے تمکین حسن کے ساتھ۔
اس کے بال اس کے وجود کو منفرد کر رہے تھے۔
"کیا کمی ہے میری بیٹی میں؟" امی نے ایک آہ سے سوچا۔ جانے اس کے نصیب کہاں کھلنے تھے۔ فریحہ کے دو رشتے آ چکے تھے، اس کے میٹرک کرتے ہی۔ اب وہ انٹر میں تھی۔
مگر۔ قرینہ۔ آہ ہونٹوں پہ، اور نوالہ حلق میں پھنسنے لگا۔
حالانکہ باسط صاحب اتنی تسلیاں دیتے تھے، ان سے کچھ کھایا بھی نہیں گیا۔ ویسے بھی آج کل ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔

چچا جان کا فون آ گیا تھا، شادی کی تاریخ انہوں نے دو ماہ بعد کی دی۔ وہ لوگ اب پاکستان آ رہے تھے، تناشا سے چھوٹی حمرہ کی شادی بھی ساتھ ہی کرنا چاہتے تھے۔
سب نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ فریحہ اور زرین کپڑوں پر بحث کرنے لگیں۔ قرینہ اپنی موجودگی میں برتن اٹھوانے لگی۔
"آپ بھی کچھ آ کر ان سے مدد لے لیں۔ آخر آپ کے بھائی کی شادی ہے۔" جنید بھائی نے اسے متوجہ کیا۔
"شکریہ جنید بھائی!" وہ قریب آ گئی۔ "میرے لیے بوتیک زندہ باد۔"
"یہ جو تم نے سلائی سیکھی ہے۔" زرین باز نہیں آ سکتی تھی۔
"بے فکر رہو، اسے بھی کام میں لاؤں گی۔" مسکان تو اس کے ہونٹوں کا حصہ تھی۔
"قرینہ! اس دفعہ پاس ہونے پر کون سا تحفہ لو گی؟" جنید بھائی اسے اپنی طرف ہی متوجہ رکھتے تھے۔
"پوزیشن ہولڈر ہوں جنید بھائی! سوچ لیں۔ کیا دیں گے۔"
"ہم اپنی سالی کو منہ مانگا انعام دیں گے۔" وہ بہت کھلے دل کے تھے۔
"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ یاد رکھیے گا اپنا وعدہ۔"
"بالکل بھئی، ہماری سالی اتنی ذہین ہے اس کے لیے بڑے سے بڑا انعام بھی کم ہے۔"
"بائی دی وے، مس قرینہ باسط علی! کیا کریں گی اتنا پڑھ کر۔ پکانا تو آپ کو کڑاہی گوشت ہی ہے۔"
عامر اس کے شوق کا اسی طرح مذاق اڑاتا تھا۔
"جی پکانا تو مجھے کڑاہی گوشت ہی ہے، مگر آفس سے آ کر۔ مجھے ابو کا بزنس پھیلانا ہے۔ اسے ترقی دینا ہے، اس کے بعد اپنا بوتیک کھولنا ہے۔ آپ ذرا اپنا منہ بند رکھا کریں، ایسا نہ ہو کہ میرا رزلٹ خراب ہو جائے۔" مسکرا کر اس کا منہ بند کر دیا۔
"اور وہ جو تمہارا اتنے سالوں سے انتظار کر رہا ہے اس کا کیا ہو گا۔" گلریز بھائی شرارت سے اس کی طرف جھکے۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
"کون گلریز بھائی۔؟"
"وہی جو ہمارا ہم زلف ہو گا۔" ان کے لہجے میں شرارت

تھی۔

"مائی گاڈ!" شرم نے اس کے چہرے کو گلنار کر دیا۔

اس کا بی کام کا رزلٹ آ گیا، حسبِ معمول اس کی فرسٹ کلاس تھی۔ اس دفعہ بھی اس کے پاس بے انتہا خوبصورت گفٹ جمع ہوئے۔ ابو کے بعد سب سے اچھا گفٹ جنید بھائی کا تھا۔ انہوں نے اسے ڈھیر ساری کتابیں دی تھیں۔

اس نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ آج کل امی آذر بھائی کی شادی کی تیاریاں کر رہی تھیں، وہ فارغ تھی۔ کلاسیں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے ان کی مدد کر رہی تھی۔

اُس دن وہ عامر کے ساتھ لان میں بیٹھی تھی کہ عمیر آ گیا۔ اب وہ شاذ و نادر ہی آیا کرتا تھا۔ جب تک اشد ضرورت نہ ہوتی تھی، ادھر کا رُخ نہیں کرتا تھا۔ قرینہ کے جواب نے اُسے ہرٹ کیا تھا۔

"زہے نصیب کہ چاند ادھر بھی چمکا۔" عامر نے اُسے گلے لگا لیا۔

"جی، اور یہ چاند آخری دفعہ چمکا ہے۔" اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"کیسی بدفال منہ سے نکالتے ہو، اللہ نہ کرے۔" اس نے خفگی سے اُسے دیکھا۔

"بدفال کیسی۔ امریکہ جا رہا ہوں پانچ سال کے لیے۔" اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"واہ یار! تیری تو لاٹری نکل آئی۔" عامر نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"اور تم نے اپنا بینگن جیسا منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے۔ کیا ہوا، کیا جانا نہیں چاہتے تھے؟"

"نہیں، یہ بات نہیں۔ کسی کو ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا، مگر اس نے انکار کر دیا ہے۔" اس نے قرینہ کو دیکھا۔

"کیوں خیریت۔ نام بتاؤ، میں ابھی حاضر کر دیتا ہوں۔" عمیر سے عامر کی بہت دوستی تھی۔

"وہ بہت انا پسند ہے۔"

"یہ لیں عامر بھائی، اور یہ لیں عمیر بھائی۔" قرینہ نے کپ ان کے آگے رکھے۔

"پھر تو مشکل ہے۔ یہ انا پسند لڑکیاں کبھی [illegible] نہیں ہیں۔" عامر بھائی نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"اس کے باوجود مجھے اُس سے بے انتہا [illegible] اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک اُسے مِس کروں [illegible] میری زندگی اس کے وجود سے مکمل ہو جاتی۔"

"ہو سکتا ہے کہ عمیر بھائی اُس کی زندگی نامکمل [illegible] جاتی۔" قرینہ سب سمجھ رہی تھی۔

"وہ میری محبت ہوتی، اور محبت کبھی نامکمل [illegible] ہوتی۔ خون دے کر اس کی محبت کا قرض چکاتا۔ [illegible] ہاں تو کرتی۔" ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں دیکھا [illegible] عمیر نے۔

"آپ دل چھوٹا نہ کریں عمیر بھائی! بعض خون [illegible] کی ادائیگی میں رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ دل کا فیصلہ [illegible] چھوڑیں، چچی جان کا فیصلہ مانیں۔ ردا ایک خوا[illegible] اسمارٹ، چارمنگ لڑکی ہے، خوب گزرے گی آپ دونوں کی۔ رہی بات محبت کی، تو شادی سے پہلے کی تمام محبتیں جذباتی حماقتیں ہوتی ہیں۔ جو کبھی کبھی ندامت پر ختم ہوتی ہیں۔"

عامر اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ قرینہ اتنی سمجھدار تھی، اسے اندازہ نہ تھا۔

"ماضی کی اٹوٹ محبتیں ہی کبھی کبھی مستقبل کا [illegible] ہوتی ہیں۔" اس کے لہجے میں گہرائی تھی۔

"آپ چائے پئیں، آج کی انا پسند لڑکی کی محبت پر مٹی ڈال کر فاتحہ پڑھیں۔ اپنی امی کی آواز پہ لبیک کہیں۔ راوی آپ کے لیے سکھ چین لکھے گا۔" قرینہ نے چائے کے برتن سمیٹے اور یہ جا وہ جا۔

عمیر گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ یہ اچھی باتیں کرنے والی جانے کس کا نصیب تھی۔ اور کون اس کے خوبصورت دل کا حبیب ہو گا۔

آذر بھائی کی شادی پر اس نے سب سے زیادہ انجوائے کیا۔ امی کو آس تھی کہ آذر کی شادی پر کم از کم اس کی منگنی ضرور ہو جائے گی۔ مگر نصیب کھلا بھی تو کس کا۔ اس کی ذات کے آسمان پر شاید ابھی اس کا ستارہ نکلا ہی نہیں تھا۔ یوں آذر بھائی کے [illegible] فریحہ اور عدیل کی منگنی ہو گئی۔ قرینہ کو اس [illegible] دکھ نہیں ہوا تھا۔ کہ ایسا کیوں ہوا۔ مقدر [illegible] تھی، ہو گئی۔

مگر لوگوں کی نظروں نے اسے ہرٹ کیا۔ زرین [illegible] کی ہو بھی گئی۔ اور بڑی ابھی تک بیٹھی ہے۔ [illegible] دان والوں نے گویا آنکھیں بند کر لی تھیں۔

کیا ہوا، اگر ایسا ہو گیا۔ یوں تو ہونا ہی ہے۔ یوں [illegible] تو کیا ہو گیا۔

ایسی سطحی چیزوں کی وہ پروا نہیں کرتی تھی۔ [illegible] جذبے اس نے بڑے سنبھال کر رکھے تھے۔ [illegible] ایک شخص کے لیے جو اس کا تھا، اور اسے یقین [illegible] آسمان پہ اس کے نام کے ساتھ اس کا نام لکھا ہوا [illegible]۔ وہ آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ ہر چیز کا وقت معین [illegible]۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج تک کسی قبول صورت لڑکی کی شادی نہ ہوتی۔ اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔ بندہ صبر کرے تو خدا بھی دل کھول کر نواز دیتا ہے۔ اور قرینہ باسط علی تو تھی ہی بچپن سے صابر و شاکر قسم کی لڑکی۔

"امی! آپ قرینہ کے لیے کوشش کریں، فریحہ کی تو ہو ہی جائے گی۔"

آپی کو جانے کیوں اس کی فکر تھی۔

"اب میں اس کے انتظار میں صالحہ آپا کو کیونکر لوٹا دیتی۔ آگے ہی امینہ باجی ناراض ہیں۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔

"اور یہ آپ قرینہ کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں۔ کتنا مصروف کر لیا ہے اس نے خود کو۔ کیا ضرورت تھی ایڈمیشن لینے کی۔ انگارے اگلتی دھوپ، کتابوں کا بوجھ، امتحانوں کی فکر، اُسے اور جھلسا دے گی۔ اب تو پھر کوئی پوچھ لے گا۔ اس کے بعد پھر ساری عمر گھاس نہیں ڈالے گا کوئی۔"

اپیا کو بھی اس کی تعلیم سے بیر تھا۔

"آپ ذرا اپنی کوشش تیز کر دیں۔ میرج بیورو سے رجوع کریں۔ اپنے ملنے جلنے والوں سے کہیں۔"

"سب کر کے دیکھ لیا ہے۔ اس کا رنگ درمیان میں آ جاتا ہے۔ اوپر سے یہ کسی کے سامنے آتی نہیں ہے۔"

"اُسے سمجھائیں کہ رشتے ناتے ایسے ہی طے ہوتے ہیں۔"

"آپی! ہمیں یہ آ کر ہماری سوچ کو پختہ ہونا چاہیے۔ لڑکیاں کوئی گائے بکری یا جمعہ بازار میں بکنے والا سامان نہیں ہوتیں۔ جو یوں بار بار دوسروں کے سامنے آ کر اپنی عزتِ نفس کو تار تار کریں۔ جب جوڑ آسمانوں پر لکھ دیا گیا ہے، تو یہ ہتک کیوں؟"

اس سے اور نہ سنا گیا تو اندر آ گئی۔

"رشتے ناتے اب ایسے طے ہوتے ہیں، پہلے زمانے میں کیسے ہوتے تھے؟ مجھے ان سب باتوں سے اختلاف ہے، اور میں اختلافِ رائے کا حق رکھتی ہوں۔ اپنی عزت اور انا مجھے بے حد عزیز ہے، میں معاشرے کو سدھار نہیں سکتی، مگر اپنی بے عزتی کا اختیار بھی نہیں دے سکتی۔"

یہ پہلی بات تھی جو اس نے یوں آمنے سامنے کی تھی۔

"اور برائے مہربانی میرے بارے میں اتنی فکرمند نہ رہا کریں۔ آگے ہی امی کا بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے۔ کچھ آپ کی باتوں سے اور بڑھ جاتا ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

اسے کسی بات کی قطعاً فکر نہ تھی۔

"تمہارے بھلے کے لیے کہتے ہیں قرینہ! آج کل ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔ خود کو بدلنا ہو گا تمہیں۔"

"مائی فٹ ہر جگہ ہو رہا ہے یا نہیں ہو رہا۔ مگر میرا الالف اسٹائل نہیں ہے۔" اس کا فیصلہ حتمی تھا۔

تب ہی آذر بھائی کے ساتھ شاشا آ گئی۔ بے حد خوبصورت زرق برق لباس نے چار چاند لگا دیے تھے، آذر بھائی کی شخصیت نے رنگ بھر دیے تھے۔

گھر میں ایک اور پری کا اضافہ ہو گیا۔ ماہا بھی کم خوبصورت نہیں تھی۔ عادل کی دلہن کا بھی جواب نہیں ہو گا۔ وہ سوچتی ہوئی باہر آ گئی۔ امی خوبصورت تھیں۔ انہوں نے خوبصورتیوں کو جمع کر لیا تھا۔

اس نے ستون سے ٹیک لگا لی۔

خدا بھی کبھی کبھی کیسے کیسے امتحان لے لیتا ہے۔
اس نے گہرا سانس لیا۔
اس کی سوچ کا دائرہ وسیع تھا، اور پتا نہیں اس کے نصیب میں کیا تھا۔
نصیب جو اس کے شوق کی راہ میں حائل ہونے کو تھا۔

گزرتے دنوں کے ساتھ اس نے خود کو اسٹڈی میں بے حد مصروف کر لیا۔ فریحہ بھی زرین کی طرح تھی۔ اسے بھی گھرداری سے دلچسپی نہیں تھی۔ اپنے ایگزام کے دنوں میں وہ گھرداری سے ذرا دور رہتی تھی۔ نتاشا بھی زیادہ تر نوکروں پر ہی اعتماد کرتی تھی۔ خود سے بھی اس نے شاید کام کم کیا تھا۔ اور پھر آذر بھائی جب اسلام آباد والے آفس کو سنبھالنے گئے تو نتاشا ان کے ساتھ گئی۔ بقول آذر کے وہ یہاں رہ کر کیا کرتی۔

امی اداس ہو گئیں۔ بہوئیں آتے ہی بیٹوں کو کیوں لے جاتی ہیں۔

شاید یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی، کہ لڑکی جب بیوی بن جاتی ہے تو شوہر کو سائبان بنا لیتی ہے، اور اسی سائبان کے نیچے خود کو محفوظ سمجھتی ہے۔

امی کا دکھ اپنی جگہ تھا۔

عامر ابو کے ساتھ آفس جاتا تھا، تاہم اس کا ارادہ بھی شادی کے بعد امریکہ جانے کا تھا، جہاں وہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ ابو کے بزنس کو بھی پھیلانا چاہتا تھا۔

عادل آج کل پائلٹ بن کر اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہا تھا۔

اس نے شاندار نمبروں سے ایم۔ بی۔ اے کیا۔ اس کی خوشی قابلِ دید تھی۔ سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ ابو نے اس کی خوشی میں ایک بڑا فنکشن ارینج کیا۔

یہیں اس نے جنید بھائی کو ان کا وعدہ یاد دلایا۔ کہ انہوں نے کہا تھا کہ جو وہ مانگے گی، وہ دیں گے۔

"بالکل بھئی، ہم بالکل نہیں بھولے، کیوں ایک عدد دولہا چاہیے کیا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ جھینپ کر سرخ ہو گئی۔

"پھر۔؟"

"پھر یہ کہ ابو سے بات میں کروں گی، کیونکہ آپ کریں گے۔ ابو کے آفس میں جاب کروں گی۔ آخر ایم بی۔ اے کی ڈگری بھی تو کام میں لانا ہے۔"

"مائی گاڈ۔!" انہوں نے گہرا سانس لیا۔ "ارادے تو بہت بلند ہیں۔"

"اور میں اپنے بلند آدرش کے ساتھ ابو کی فیکٹری کو بامِ عروج پر لے جانا چاہتی ہوں۔"

"تمہیں انکل، آذر اور عامر کی صلاحیتوں پر شک ہے کیا؟ کیا انہوں نے اسے ترقی نہیں دی؟"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ میں نے جو بھی سیکھا ہے، اسے کام میں لانا چاہتی ہوں۔ میں ایک نیا پلانٹ لگانا چاہتی ہوں۔"

وہ جنید بھائی کو اپنا پلان بتانے لگی۔

"بابا! فیکٹری میری نہیں، میرے فادر ان لا کی ہے۔ ان کے سامنے ہی اپنے پلان بتانا۔" جنید بھائی نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

ان کے انداز پر وہ بے اختیار ہنس دی۔ اور اس وقت اس کی یہ معصوم سی مسکراہٹ، شرمیلا سا انداز، گھنے سیاہ بالوں کا حسن، اور انہی بے نیازی کسی کے دل میں اتر گئی۔ قرینہ باسط علی بے اختیار انہیں بے حد بھا گئی۔

"بیٹا! ڈگری لینا اور بات ہے، فیکٹری سنبھالنا اور کام۔"

"ابو میں فیکٹری سنبھالنا نہیں چاہتی۔ بطور ورکر کام کرنا چاہتی ہوں، آپ بہت تھک جاتے ہیں نا۔"

"پھر بھی بیٹا!"

"پلیز ابو! یہ میرا شوق ہے۔ بزنس لائن مجھے بہت پسند ہے۔ میرے پاس ہائی لیول کی ڈگری ہے اگر آپ اسے صرف ڈگری سمجھتے ہیں تو پھر میں انٹرویو دینے کے لیے بھی تیار ہوں۔" وہ ان کے ہاتھ دبانے لگی۔

"رشوت!" انہوں نے اپنی بے حد لائق فائق

بیٹی کو دیکھا۔

"نہیں۔ درخواست ہے۔" اس نے ہاتھ جوڑے۔ ابو نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔ "ٹھیک ہے، کل سے میرے ساتھ چلنا۔"

"سچ۔"

"سو فیصد، لیکن یہ پرمیشن صرف تمہاری شادی تک ہو گی۔"

ساتھ ہی انہوں نے حد بندی بھی لگا دی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے بچوں کی طرح بات مان کر سر بھی ہلا دیا۔ ابو اس کی حرکت پر ہنس دیے۔

امی نے سنا تو سر پیٹ لیا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔ بجائے اس کی شادی کرنے کے یہ سب کر رہے ہیں۔ ساری عمر گھر بٹھانا ہے کیا؟"

"بیگم! ہر چیز کا وقت معین ہے، پھر فکر کس بات کی۔ میں گھر بٹھا کر اس کا ذہن زنگ آلود نہیں کرنا چاہتا۔ پھر وہ حساس بھی بہت ہے۔"

"دماغ خراب کر دیں گے آپ دونوں مل کے میرا۔ میں اس کی فکر میں مر رہی ہوں، اور بابا کو ہری ہری سوجھ رہی ہے۔"

"بیگم! آپ چیز ہی ایسی ہیں۔" انہوں نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

مگر یہ غصہ ایسا تھا۔ انہیں برف کے اندر بھی رکھا جاتا تو برف آگ بن جاتی۔

انہوں نے ہر ممکن طور پر اسے روکنا چاہا، مگر اس کی پشت پر ابو کا ہاتھ تھا۔

وہ آفس جانے لگی۔ آذر بھائی کو اس کا اقدام پسند آیا۔ عامر کو بھی خوشی ہوئی۔ عادل تو تھا ہی اس کا دوست اس کی ہر بات شیئر کرتا تھا۔

"اب تم فیکٹری میں حصہ مت مانگ لینا۔" اس نے اسے تنبیہہ کی۔

جواب میں وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

ابو کو چند دن میں اندازہ ہو گیا، جو کام آذر اور عامر نہ کر سکے، وہ قرینہ کرے گی۔ عنقریب انہیں نیا پلانٹ لگانا ہی پڑے گا۔

امی کو اس کی فکر کھائے جا رہی تھی، کیونکہ صالحہ آپا شادی کی تاریخ مانگ رہی تھیں۔ انکار کس بنا پر کرتیں، فریحہ بی۔ اے کر چکی تھی۔ عدیل بھی چاہتا تھا ہو جائے شادی۔ مگر امی اب قرینہ سے پہلے نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

مل اونر حیدر واسطی کی بیگم درخشاں واسطی کو قرینہ بے حد پسند آئی تھی۔ اس کا نپا تلا انداز، پُروقار لہجہ، سارے مہمانوں کو فرداً فرداً اٹینڈ کرنا۔ اس کی سادگی، پھر یہ کہ اس کے بال بے حد حسین تھے، اور حسین بال ان کی کمزوری تھے۔ بدقسمتی سے بڑی چاروں بہوئیں اپنی چوٹی کٹوا چکی تھیں۔ وہ زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتی تھیں، ایسا نہ ہو کہ ایسا نادر ہیرا ہاتھ سے نکل جائے، انہوں نے حمزہ سے پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

"ممی! کہاں یہ سانولی سی لڑکی اور کہاں حمزہ بھائی! زمین آسمان کا فرق ہے، ان کے درمیان۔ آپ کو کیا پسند آیا اس میں؟ اور کیا حمزہ بھائی کو وہ پسند آجائے گی۔؟"

یہ بیگم واسطی کی سب سے چھوٹی شادی شدہ بیٹی تھی۔ جو ناک چڑھا کر اپنی بیٹی کو فیڈر دیتی ہوئی قرینہ باسط علی کے بارے میں رائے زنی کر رہی تھی۔ یہ لوگ کچھ دیر قبل قرینہ کا رشتہ مانگنے اس کے گھر آئے تھے، ان کے ساتھ ان کی دونوں بیٹیاں سویرا اور نویرا تھیں۔ نویرا ایسی ہی منہ پھٹ تھی۔

"تمہاری کیا رائے ہے سویرا۔؟" ان کی مخاطب سویرا تھی جو حمزہ سے بڑی تھی۔

"ممی! میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ حمزہ کو پسند ہے تو ٹھیک ہے۔ اصل مسئلہ تو اسی کا ہے۔ زندگی اس کو گزارنی ہے۔" قرینہ اسے پسند آگئی تھی، مگر اصل مسئلہ تو حمزہ کا تھا جس کی ناک بہت لمبی تھی۔ اور ممی کو ایمل قطعاً پسند نہیں تھی۔ ماڈرن والدین کی بے لگام بیٹی۔ "ممی آپ کو علم ہے کہ حمزہ بھائی کو کالے رنگ سے کتنی چڑ ہے۔"

"نویرا! تم نے اس کے کالے رنگ کو موضوعِ گفتگو بنا لیا ہے، ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اس کا رنگ کالا نہیں، کھلتا ہوا گندمی پُرکشش ہے۔"

پسند آیا تھا۔
اس نے تو اسے قسمت کا فیصلہ سمجھا تھا لیکن یہاں قسمت بھی دوسروں کے ہاتھوں میں تھی۔
صبح ویسی ہی تھی، جیسی ہونی چاہیے تھی۔
اس نے جھوٹی مسکراہٹیں چہرے پر سجالیں —— سویرا نے زرق برق زری کے کام والا سوٹ پہنا دیا۔ اور وہ ویسی ہی بن گئی جیسا سب چاہتے تھے۔
"بیگم واسطی! آپ کی بہو اور بیٹے میں اتنا تضاد؟ کیا دیکھ کر پسند کیا آپ نے؟" ولیمہ میں اس کے کانوں میں پہلا جملہ پڑا۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ کیمرے اس کی مسکراہٹ کو قید کرنے لگے۔
"کیوں کیا کمی ہے میری بہو میں؟ یہ چاند اور میرا بیٹا سورج ہے، اور جوڑی بہت خوب ہے۔" ان کے لہجہ میں فخر تھا۔
"آپ کی باقی بہوؤں سے بہت مختلف ہے۔" اُن کے لہجے میں طنز تھا۔
"ہاں باقی بہوؤں سے بہت مختلف ہے۔" ان کے لہجے میں کچھ تھا کہ قرینہ چونک گئی۔
پھر جتنے منہ تھے، اُتنی ہی باتیں تھیں۔ اور ممی سب کو مطمئن کر رہی تھیں۔
ایسی سے باتیں کرتے ہوئے اس نے دیکھا۔ حمزہ واسطی دور گیٹ پر اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا ہنس رہا تھا۔ کل اور آج میں کتنا فرق تھا۔ کل کتنا قریب سمجھا تھا اور آج کتنا دور —— اس نے پلکیں جھکالیں۔ اُسے بھی مشرق کی منافق لڑکی کا کردار ادا کرنا تھا اب۔

اس کی زندگی کا یہ باب بے حد مختلف تھا۔
چاروں بھابیاں اسے بڑے عجیب سے انداز میں دیکھتی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا، ان کے ساتھ نہیں نبھ سکتی۔
بڑی بھابی رہتی ہی کینیڈا میں تھیں۔ ندا بھابی نے آتے ہی گھر الگ کر لیا تھا۔ انہیں جوائنٹ فیملی سسٹم پسند نہ تھا۔ ریما بھابی کو اویس بھائی سوات ساتھ لے گئے تھے۔ فرح بھابی یہیں رہتی تھیں، اگر ان کا انداز بھی لیے دیے والا تھا۔
شادی پر سب اکٹھے ہوئے تھے۔ سویرا کی کے گھر بیاہی ہوئی تھی۔ اور نویرا ذرا اکھڑ مزاج کی لڑکی تھی۔ اس نے شادی اپنی پسند سے کی تھی۔
اس روز سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔
حمزہ حسبِ معمول غائب تھا۔
وہ سویرا کے پاس بیٹھی تھی۔
"ممی! ہم تو سمجھ رہے تھے، حمزہ کے لیے آپ نے گوہر نایاب پسند کیا ہے، لیکن یہاں تو اُلٹ نکلا" یہ ریما بھابی تھیں۔
وہ لوگ آپس میں باتیں کر رہی تھیں، اور خاصی دور تھیں۔ مگر انداز بتا رہے تھے، موضوعِ گفتگو یہی ہے۔
"اور مجھے تو لگتا ہے ممی! یہ حمزہ کو بھی پسند نہیں" ندا بھابی نے رائے دی۔
"سوائے ایم۔ بی۔ اے کی ڈگری کے اس کے پاس ہے ہی کیا؟ نہ شکل نہ صورت۔ ممی نے حمزہ بھائی کو کہاں ڈبو دیا۔" یہ رائے نویرا کی تھی، جو شروع سے ہی اس کے خلاف تھی۔
"میں نے صورت نہیں، لڑکی کی سیرت دیکھی ہے مشکل ہے آج کل کے دور میں ایسی لڑکیاں ملنا!" ان کا لہجہ دبا دبا سہی مگر مضبوط تھا۔
"صورت دیکھ لیتیں ممی! سیرت تو خود ہی بن جاتی ہے۔" بڑی بھابی نے بھی دخل دیا۔
اور وہ سب کو دیکھ کر رہ گئی۔
یہ ان کی بڑی بہو تھی ناز، جس کو دیکھ کر ہی پسند کیا تھا۔ جو ساس کو ماں سمجھ ہی نہ سکی تھی، شروع دن سے لڑتی رہی کہ الگ رہوں گی۔ میں اتنے بڑے کنبے کا کام نہیں کر سکتی۔ وہ تو شکر ہوا کہ رجحان کا کینیڈا جانے کا ہوا تو اُسے بھی ساتھ لے گیا۔ انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔
پہلے تلخ تجربے کے بعد بھی انہوں نے ندا کو ایک تقریب میں پسند کیا۔ خوبصورتی کو گویا مجسم کر دیا گیا تھا۔ اتنی پیاری لگی تھی وہ۔ کچھ جانچا ہی نہیں، چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ اس کو بھی اتنی بڑی فیملی

رہنا پسند نہیں آیا۔ ایقان کو لے کر الگ ہو گئی۔
ریما کی عادت کچھ ٹھیک تھی، مگر وہ زیادہ دیر ان کے پاس رہ نہ سکی۔ اویس سوات ساتھ ہی لے گیا۔ فرح سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ ان کے ساتھ ہی رہتی تھی، مگر موڈ ہوتا تو بات کرتی تھی۔ ورنہ نظر اٹھا کر نہ دیکھتی۔ ساس سے سخت بیر تھا بلکہ دشمن ہی سمجھتی تھی۔ چاروں بہوؤں کا گھر بھی انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ پھوہڑپن میں اپنی مثال آپ تھیں، سے درست رہنے والے ان کے بیٹے ان کے رنگ میں ہی رنگ گئے تھے۔
فرح ہر وقت بچوں کا رونا روتی رہتی تھی۔
انہوں نے خوبصورتیاں اپنے گھر میں اگرچہ یکجا کر لی تھیں، مگر اس سے انہیں کیا ملا۔
دنیا کہتی تھی، بہوئیں ہوں تو بیگم واسطی کے جیسی شاہکار۔ جانے کتنی جوتیاں گھسائی تھیں مگر انہیں کیا ملا۔
بہوؤں کا پھوہڑپن، بداخلاقی۔ بڑوں کے سامنے چیخ چیخ کر بولنا۔ سچ کو جھوٹ کہنا، ان کے بیٹوں کا سکون غارت ہو گیا تھا، اور خود انہیں کیا ملا۔ قیدِ تنہائی۔ سوائے شکل کے ان کے پاس کیا تھا۔ بوڑھے ساس سسر کو سنبھال سکتی تھیں، بیاہی نندیں بھی بُری لگتی تھیں انہیں۔
اب خوبصورتی کے لیے ان کے پاس یہی الفاظ تھے کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں، قریب آجائیں تو دردِ سر بن جاتا ہے۔
وہ اپنی بہوؤں کے پاس جا کر رہتی نہیں تھیں، مگر ان کا پھوہڑپن، بدسلیقہ طرزِ زندگی۔ ان کا سر درد بن گئی تھی۔ انہیں اپنے حسن پر زیادہ غرور تھا۔ اس لیے حمزہ کے لیے خوبصورتی نہیں دیکھی تھی، مگر وہ خوبصورتی کا مجسمہ تھی۔ ایک مکمل لڑکی تھی۔ اس کی سیرت، اس کا کردار، اخلاق، عادات، خیالات بہت اچھے تھے۔
وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ حمزہ اس کے خلاف ہے، مگر حمزہ ہی ان کا پیارا لاڈلا بیٹا تھا۔ اُسے وہ بے سکون نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ انہیں یقین تھا۔ آج حمزہ ان سے ناراض ضرور ہے، مگر آنے والا کل اُسے بتا دے گا کہ ماں کا فیصلہ کتنا صحیح ہے۔
اور وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ ناز، ندا، ریما، اور فرح کو قرینہ کیوں پسند نہیں ہے۔ حمزہ کو وہ سب اپنی بہن، کزن یا سہیلی کا رشتہ دینا چاہتی تھیں۔ ایسا ہو سکتا تھا۔ اگر ان کا تجربہ اتنا تلخ نہ ہوتا۔ اب حمزہ کے لیے وہ کوئی ایسا رسک نہیں لے سکتی تھیں۔
شادی کے ہنگامے ختم ہو گئے، سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔
سویرا کی اس سے بہت دوستی تھی۔ نویرا نے ڈھنگ سے بات ہی نہ کی تھی۔
اور قرینہ کو شوق بھی نہیں تھا کہ اس سے بات کرے۔
انکل بے حد اچھے تھے۔ ان کے پاس معلومات کا خزانہ تھا۔ ان سے باتیں کر کے بہت مزا آتا تھا۔ رات کو اکثر آنٹی اور انکل کے ساتھ محفل رہتی تھی۔
حمزہ سے بات تو در کنار اس نے دیکھنا پسند نہیں کیا۔ اس نے حمزہ کو اپنا نصیب سمجھ کر اس کے لیے اپنے سوئے ہوئے خوابوں کو جگا دیا تھا —— اور جگا کر سُلانا بے حد مشکل کام تھا جو اس کے دل پر بیت رہی تھی وہی جانتی تھی۔
اپنے گھر میں اپنوں کی باتوں کو ہنس ہنس کر نظر انداز کیا تھا۔ کبھی دل پر نہیں لیا۔ آنکھ میں آنسو نہیں لائی تھی۔ مگر سسرال آکر لڑکیوں کو بہت ساری چیزوں کے ساتھ آنسو بھی مل جاتے ہیں۔ بلکہ بری کے کپڑوں میں چھپ کر آتے ہیں۔
مگر اس نے ان سب باتوں کو اتنی سی بات کہہ کر اپنے آنسوؤں کی توہین نہیں کرنے دی۔ انہیں دامن کے بجائے دل پر گرا لیا تھا۔
جب تک سویرا تھی۔ اُسے معلوم ہو جاتا تھا، کس تقریب میں جانا ہے۔ اسے تیار بھی کر دیتی تھی۔ اب وہ واپس اپنے گھر چلی گئی تھی۔ ممی اسے بتا دیتی تھیں۔ کہ آج یہاں جانا ہے، وہ تیار ہو جاتی تھی۔ اور کہیں نہیں جانا ہوتا تو ممی زبردستی اُسے امی کے گھر بھیج دیتی تھیں۔

اور حمزہ کو شاید ایسی کیٹس نبھانے آتے تھے، ناگواری کے احساس کے باوجود باہر چھوڑ کر نہیں چلا جاتا، بلکہ اندر آ کر بیٹھتا بھی تھا۔ عامر سے باتیں بھی کرتا تھا، مگر انداز ہیں گرہ بہ ہی ہوتا تھا۔

وہ ممی سے کہتی بھی تھی۔ "ممی! آپ کو زبردستی نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

"میں تمہارا دکھ سمجھتی ہوں بیٹا! مگر زبردستی نہ کروں تو کیا کروں۔ ماں کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتی۔ وہ گڑھے میں گرنا چاہتا تھا، میں کیسے گرنے دیتی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک دن ضرور تمہاری طرف لوٹے گا۔"

جواب میں وہ صرف سر جھکا کر رہ جاتی۔

اس نے اپنے وجود کی پاکیزگی کو برقرار رکھا تھا اس کے دل کا ——— کوئی مکین نہیں ہوا تھا۔ اب احساس ہوا کہ کاش وہ عمیر کا ہاتھ تھام لیتی۔ یہ شاید اس کی بددعا ہے۔ اس نے کون سا ادھر ہی ہار رکھا تھا، مگر ـــ مگر آگے کے لفظ ذہن میں ہی روک لیتی تھی۔ اب حمزہ، حمزہ ـــ حمزہ ہی تھا سب ـــ دنیا والوں کی نظر میں۔

وہ سارا دن فارغ ہوتی تھی، گھر کی ترتیب مکمل بدل دی تھی۔ سچ میں بہار آ گئی تھی۔ گھر کے افراد ہی کتنے تھے، ممی، پاپا، حمزہ اور وہ بس ـــ فرح تو بھولے بھٹکے ادھر آ نکلتی، یا کبھی ممی بلوا لیتی۔ تھیں۔ عجیب سی تنگ چڑھی تھی۔

پاپا کی جگہ حمزہ آفس جاتا تھا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ وہ ان کی غذا کا خیال رکھتی۔ دلچسپ کتابیں لا کر دیتی۔ بطور خاص ان کے ساتھ بیٹھ کر خبرنامہ دیکھتی۔ حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کرتی۔ ممی بھی آ کر بیٹھ جاتیں، تو پھر وہ قصے نکلتے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

اپنے بیڈ روم میں حمزہ کو علم ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کب دبے پاؤں آ کر سو جاتی۔ اور پھر جب دل پر سنہری زلفیں سایہ فگن ہوں تو احساسات نہیں جاگتے۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اس کے پاس ٹائم بہت زیادہ ہوتا ہے، جو فالتو ادھر ادھر گزر جاتا ہے کیوں نہ ابو کا آفس دوبارہ جوائن کر لیا جائے، کیا اپنا بوتیک کھولنے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہو گی۔

اپنے فیصلے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ممی کے پاس آئی۔ ان کے پاس دو خواتین بیٹھی تھیں۔ اس نے سلام کیا۔ پتا نہیں ابھی آئی تھیں یا بہت دیر سے بیٹھی تھیں۔ بہرحال وہ الٹے قدموں واپس آ گئی۔

"آپ کی یہ بہو دوسروں سے مختلف ہے۔" بیگم ماہین نے شاید تنقیدی جائزہ لیا تھا۔

"صرف مختلف نہیں ـــ بہت مختلف ہے۔" ان کے لہجے میں محبت تھی۔

"آپ نے کیا دیکھا مسز واسطی۔ جب کہ حمزہ بہت خوبصورت ہے ـــ اور آپ کی بہو اس کے برعکس۔" بیگم خواجہ نے دل کی بات کہہ ہی دی۔

"مجھے خوبصورتی کو چاٹنا نہیں تھا بیگم خواجہ! میری چاروں بہوؤں کا خوبصورتی میں جواب نہیں ہے مگر انہوں نے مجھے کیا دیا۔ قیدِ تنہائی، راستے کا پتھر ہیں تو ساس نہیں، ان کی ماں بننا چاہتی تھی، مگر انہوں نے مجھے ظالم مشہور کر دیا۔

یہ میرے غرور کا نتیجہ ہے، میں بھی ساری ماؤں کی طرح اپنے بیٹوں کے لیے چندے آفتاب، چندے ماہتاب قسم کی دلہن لانا چاہتی تھی، اور میں لے بھی آئی، مگر ـــ" انہوں نے گہرا سانس لے کر انہیں دیکھا۔

"دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ خوبصورتی دور سے اچھی لگتی ہے۔ برے رویے دل چھلنی کر دیتے ہیں۔" ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

"چہرے کا چاند ڈھل جاتا ہے، اور سیرت کا چاند بامِ عروج پر ہوتا ہے۔ میں تو آپ کو بھی یہی مشورہ دوں گی۔ اپنے لیے خوبصورت، کم عمر بہو مت ڈھونڈیے گا۔ بلکہ خوب سیرت اور پڑھی لکھی بہو ڈھونڈیے گا۔"

وہ جانتی تھیں کہ بیگم خواجہ آج کل اپنے بیٹوں کے لیے لڑکی دیکھ رہی ہیں۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں بیگم واسطی، مگر پڑھی لکھی لڑکیوں کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے۔"

"نہیں، بالکل زیادہ نہیں ہوتی۔ آج کل اکیس سال

[...]ل ایم۔اے کر لیتی ہے، اور پچیس سال کا لڑکا [...] نہیں کر سکتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ لڑکا [...]ہے۔ یہ بات والدین کو سوچنی چاہیے۔ ٹین ایج [...] میچور ایج میں شادی ٹھیک رہتی ہے، یہ [...]ئی تجربہ ہے۔"

جب ہی کاریڈور میں آہٹ ہوئی اور قرینہ ٹرالی [...] اندر آ گئی۔

"شاباش بیٹا،" انہوں نے اسے قریب بٹھا لیا۔

[...] چائے بنانے لگی۔ بیگم خواجہ اور بیگم ماہین بغور [...] کا جائزہ لے رہی تھیں۔ تعلیم نے اس کی شخصیت [...] نکھار دیا تھا۔

"اور میرے خیال میں تعلیم یافتہ لڑکیاں سمجھدار بھی ہوتی ہیں۔ نہ صرف عزت کرنا بلکہ کروانا بھی جانتی ہیں، اور یہ ضروری نہیں کہ آپ اور دوسری مائیں اپنے [...]یس یا پینتیس سالہ بیٹے کے لیے سولہ سال کی لڑکی [...]ھیں۔ ایسی شادیاں زیادہ تر ناکام ہوتی ہیں۔"

قرینہ نے انہیں چائے دی۔ انہوں نے شکریہ کہہ کر کپ لے لیے۔

بیگم واسطی کی باتوں نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں، اور بیگم واسطی اپنی زندگی کے تلخ تجربات سے دوسروں کو سبق دینا چاہتی تھیں۔

ممی سے اس نے بات کی تو ممی بہت خوش ہوئیں کہ وہ اپنے وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ پاپا نے اس کا ساتھ دیا۔

"اب واسطی گھرانے کی بہو نوکری کرے گی؟"

حمزہ کو یہ بات قطعاً پسند نہ آئی۔

"گھر میں بیٹھ کر کیا کرے۔ بور ہو جاتی ہے، پھر آفس غیروں کا نہیں، اس کے باپ کا ہے۔"

"فرح بھابی بھی تو گھر میں رہتی ہیں۔ وہ بور نہیں ہوتیں۔" اس نے کمزور تاویل پیش کی۔

"اس کے بچے ہیں۔ گھر کی مصروفیت ہے۔ وہ کیوں کرے جاب، پھر اس کی تعلیم بھی بی۔اے ہے، ٹھیک ہے، قرینہ جاب نہیں کرے گی، اگر اس کی اولاد ہو جاتی ہے۔"

امی نے بہت گہری بات کی تھی۔ حمزہ خاموش ہو گیا۔

(اولاد اور اس سے، ناممکن)

"اس نے ایم۔بی۔اے کی ڈگری چولہا جلانے کے لیے حاصل نہیں کی۔" ممی نے گویا انکشاف کیا۔

"ایم۔بی۔اے!" حمزہ حیران رہ گیا۔

"ہاں، ایم۔بی۔اے۔" ممی نے زور دیا۔

اور باہر کھڑی قرینہ کو اس کی حیرانی سے بہت خوشی ہوئی۔ اتنا تو پتا چلا ہو گا موصوف کو، کہ وہ بھی کوئی گری پڑی لڑکی نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم اجازت نہیں دو گے تو وہ میرے آفس میں کام کرے گی۔ تب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" پاپا تو گویا اسے ہر حال میں جاب کرانا چاہتے تھے۔

"جب تمہیں اس سے دلچسپی نہیں ہے تو اس کے معمولات سے بھی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔" ممی جان بوجھ کر اسے چڑا رہی تھیں۔ نفسیاتی حربے استعمال کر رہی تھیں۔

حمزہ پاؤں پٹخ کر باہر آ گیا۔ ممی، پاپا نے ایکا کر لیا تھا۔ اسے رات کی تاریکی بتمادی تھی۔ اس کی ساری خوشیاں چھین لی تھیں، پھر دوسری بات یہ تھی کہ اس نے ایم کام کیا تھا۔ اور اس نے ایم بی اے ـــ حسد لازمی تھا۔

اتنی پاورفل ڈگری رکھنے کے باوجود کس قدر سادا، خوش اخلاق ہے، ذرہ برابر غرور نہیں۔ رات سونے کے لیے لیٹا تو اس کے متعلق سوچنے لگا۔ جو ایمل سے زیادہ خوبصورت نہیں تھی۔ بلکہ زمین آسمان کا فرق تھا۔

حمزہ نے کروٹ بدل لی۔ ہے ہی کیا اس کے پاس سوائے ایم۔بی۔اے کی ڈگری کے۔

اس نے آفس جانا شروع کر دیا۔ ابو کا آفس پہلے آتا تھا، حمزہ کا بعد میں۔ چنانچہ پاپا نے آرڈر جاری کر دیا۔ "حمزہ! قرینہ کو چھوڑتے ہوئے آفس جائے گا۔"

"ممی! میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ میں کبھی جلدی جاتا ہوں، کبھی دیر میں۔" وہ جھنجلا گیا۔

"کوئی بات نہیں ـــ وہ بھی کبھی جلدی کبھی دیر میں

چلی جایا کرے گی۔" دلیل مستر و ہو گئی۔

"میں واپس نہیں لا سکتا۔ آفس سے سیدھا گھر نہیں آتا۔"

"گھر نہیں آتے تو کہاں جاتے ہو تم ٹائم ضائع کرنے؟" پاپا نے پھر پکڑ لیا۔

"میرے بھی دوست ہیں پاپا!"

"ٹھیک ہے ڈرائیور کو بھیج دیا کرنا۔" پاپا اور کچھ سننا نہیں چاہتے تھے۔ اُسے ناچار سر جھکانا پڑا۔

امی نے اس کی جاب کا سنا تو ٹوانٹا ——— "بیٹا! لڑکیاں شادی کے بعد جاب کرتی اچھی نہیں لگتیں۔"

"امی! انہوں نے مجھے خوشی سے اجازت دی ہے پھر میں ہر کام وقت پر کرتی ہوں، کسی کو مجھ سے شکایت نہیں ہو گی۔" اس نے انہیں بھی منا لیا، اور آفس جانے لگی۔

عامر تو ویسے بھی اس کے مشورہ پر عمل کرتا تھا۔ عادل نے سنا تو اُسے گھیر لیا۔

"یہ کیا بھئی؟ جاب کرنی ہے تو اپنے سُسر کی فیکٹری میں کرو۔ ہماری فیکٹری میں کیوں دخل در معقولات کر رہی ہو۔"

"جی میرا ارادہ وہیں جاب کرنے کا تھا، مگر افسوس وہ لوگ پانچ سال کا تجربہ مانگ رہے ہیں۔" اس کا لہجہ شرارتی تھا۔

"کیا۔ کیا، محض تجربہ حاصل کرنے کے لیے تم نے ہماری فیکٹری کو جوائن کیا ہے۔؟" عادل کے ساتھ ساتھ عامر بھی حیران ہوا۔

"اور کیا، ہے ہی کیا تمہاری فیکٹری میں۔ ابو تو گھر پر ہوتے ہیں۔" شرارت سے کہتی وہ ابو کے ساتھ لگ گئی۔ عادل نے کشن کھینچ مارا۔

"نا بھئی۔ میری بہت پیاری بیٹی ہے۔" ابو نے ساتھ لگا لیا۔

اس نے بہت باوقار انداز میں آفس جانا شروع کیا۔

بات کرنے کی کبھی حمزہ نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اور قرینہ کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اُسے جس بات کا بھی زعم تھا۔ اُسے اُسی زعم میں مبتلا رہنے دینا چاہتی تھی۔

وہ بچپن سے ہی سمجھوتے کی قائل تھی اور [illegible] میں اس کی خوشی بھی تھی کہ دوسرا اس سے [illegible] ہے۔

اس کا آفس بہت ٹھیک جا رہا تھا۔

فرح بھابی نے دیکھا تو پوچھ ہی لیا۔

"کیا ضرورت تھی آفس جوائن کرنے کی [illegible]" ساطنزیہ لہجہ تھا ان کا۔

"تعلیم اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ اسے [illegible] لایا جائے۔" اس نے سادگی سے کہا۔

لوگوں نے فخر کرنے کے لیے بھی کیا کیا [illegible] مقرر کیے ہیں۔ حسن جو ثانوی ہوتا ہے، [illegible] ہوتا ہے، مگر پھر بھی یہ جس کے پاس ہو کتنا [illegible] ہو جاتا ہے۔

"کبھی آنا ناں حمزہ کے ساتھ۔" وہ کچھ جتانا چاہ رہی تھیں۔

"ہاں ضرور، کیوں نہیں۔ دراصل حمزہ رات کو [illegible] سے آتے ہیں، پھر اتنے تھک جاتے ہیں۔ بس پاپا اور ممی سے باتیں کیں اور سو گئے۔"

حمزہ اپنا نام سُن کر رُک گیا۔

"لگتا ہے حمزہ تمہیں ٹائم نہیں دیتا۔" فرح نے اس کا بغور جائزہ لیا۔

"ٹائم کی بات نہیں ہے۔ آج کل مصروفیت زیادہ ہے۔ اس لیے ذرا آؤٹنگ وغیرہ کا پروگرام نہیں بنتا۔ ورنہ تو سارا ٹائم ہی میرے لیے ہے۔"

جو لباس اس نے پہن لیا تھا، اس کی خوشبو اس کے اندر بھر گئی تھی۔ اس کا اندازِ گفتگو حمزہ کو عجیب سا لگا۔ کسی کو کیا ثبوت دینا تھا۔ وہ خود گواہ تھا کہ اس نے تو کبھی قرینہ سے بات ہی نہیں کی۔ بیڈ روم میں وہ اس کے سونے کے بعد آتی تھی۔ ابھی جاتی تو، یا تو جلد سو جاتی، یا کپڑے کر باہر نکل جاتی۔ کبھی بھی یا تو کوئی فائل دیکھتی رہتی یا کچھ لکھتی رہتی۔

حمزہ تو گاہے بگاہے اس پر نظر بھی ڈال لیتا تھا، مگر اس نے کبھی چور نگاہوں سے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

مائی گاڈ، لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔

ہر قسم کی لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی، اچھی

[illegible] شرمیلی، بے باک، کم گو، باتونی، مگر ان سب [illegible] بات مشترک تھی۔ سب خوبصورت تھیں، اب [illegible] حسن اس کی کمزوری تھی۔ امیل حسن سے [illegible] تھا، حسن کا مجسمہ تھی، ممی نے اگرچہ زبردستی [illegible] شادی کر دی تھی، مگر یہ اس کا خواب تھا کہ امیل [illegible] شادی ضرور کرنی ہے۔

[illegible] شام ملنے کے باوجود رات بھر اُس کے خواب [illegible] تھا۔

ایسے میں اس کے پاس قرینہ کی گنجائش کہاں [illegible]۔

اس وقت بھی وہ امیل سے فون پر گفتگو کر کے [illegible] رہا تھا۔ کہ ان کی گفتگو سُن کر رُک گیا۔

اس نے آج تک کسی لڑکی میں اتنا ضبط اور صبر و [illegible] نہیں دیکھا تھا۔

خود اس کی بھابیاں ایسی تھیں۔ ذرا کسی بھائی [illegible] کوئی بات ہو جاتی تو گھر سر پہ اٹھا لیتی تھیں۔ اور۔ اور یہاں تو مسئلہ ہی دوسرا تھا۔ مگر [illegible] پر کوئی اثر نہ تھا۔ کیوں۔ کیوں۔ ٹیلی ویژن [illegible] ہوئے بھی وہ یہی سوچتا رہا۔

"قرینہ۔ قرینہ۔!" وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے، عادل اسے آوازیں دیتا ہوا اندر آ گیا۔

"آؤ بیٹا!" پاپا کو عادل بہت اچھا لگتا تھا۔ عادل انہیں سلام کر کے وہیں بیٹھ گیا۔

"ہمارے گھر کا کچن سنسان کر کے یہاں مزے ہو رہے ہیں۔" اس نے میز پر طائرانہ نظر ڈالی۔ سب ہنس دیے۔

"سچ آنٹی! جب سے اس کو آپ نے بہو بنایا ہے نا۔ میں تو اچھے کھانوں کو ترس گیا ہوں۔"

"اس لیے کہتی ہوں شادی کر لو، مگر تم مانتے ہی نہیں ہو۔" انہوں نے کباب کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"میں تو تیار ہوں، مگر امی نہیں مانتیں۔ اور مجھ جیسے فوجی کا گزارا کسی خوبصورت نخریلی لڑکی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔" وہ صاف انکاری تھا۔

"پھر آپ کے کیا آدرش ہیں۔" حمزہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"آپ سے کیا پردہ؟" وہ دھیرے سے اس کی طرف جھکا۔ "میں سانولی سلونی محبوبہ گاتا ہوں اور امی گورے رنگ کا زمانہ شروع کر دیتی ہیں۔ اب آپ خود ہی بتائیں کہ میں کیا کروں؟" اس نے بڑی بے چارگی سے کہا۔ اس کی صورت دیکھ کر سب ہنس دیے۔

"تو کیا ہے، کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کر لو۔ حسن تو ویسے بھی مردوں کی کمزوری ہوتا ہے۔" قرینہ نے سادگی سے کہا۔ حمزہ نے چونک کر دیکھا مگر وہ پانی پینے میں مصروف تھی۔

"نہ بابا نہ۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"حسن و صورت چار دن۔ حسنِ سیرت تا زندگی۔" اُس نے ایک جملہ میں بات مکمل کر دی۔

"بالکل ٹھیک کہا بیٹا! تم نے۔ صورت سے زیادہ سیرت سے پیار کرنا چاہیے۔"

ممی نے کہہ کر حمزہ کو کچھ جتانا چاہا، مگر وہ اس وقت کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"تم بتاؤ کیسے آئے؟"

"صبح میری فلائٹ ہے۔ سو چا ذرا تمہارے ہاتھ کی بریانی چکھ آؤں، مگر بریانی تو تم نے بنائی نہیں، قیمہ کریلے پر میں گزارا کر نہیں سکتا۔ بس اچھی سی چائے پلوا دو۔" چائے کا آرڈر دے کر وہ انکل سے باتیں کرنے لگا۔

سارے دن وہی تھے، سارے کام وہی تھے۔ اس نے گھر اور آفس کے کاموں میں توازن رکھا تھا۔ بیگم واسطی کا تو تعریفیں کر کر کے منہ نہیں تھکتا تھا۔

آج کل حمزہ کا مکمل جھکاؤ امیل کی طرف تھا۔ بلکہ شادی کے پروگرام بھی بن رہے تھے۔ امیل کے والدین تو تقریباً راضی ہی تھے۔ کسی بھی وقت یہ معرکہ سر ہو سکتا تھا۔

اس روز اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، مگر پھر بھی آفس آ گئی۔ عامر بھی آج آفس نہیں آیا تھا۔

ابو میٹنگ میں مصروف تھے۔

وہ اپنے آفس میں فائلیں دیکھتی رہی، پھر اخبار پڑھنے لگی۔ طبیعت پر عجیب سا دباؤ تھا۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ پتا نہیں آج کون لینے آئے گا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور یا حمزہ۔ نیچے گزرتی گاڑیاں دیکھتی رہی۔ کھڑے کھڑے تھک گئی تو۔ ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ تب ہی نیچے ہارن بجا۔ جھانک کر دیکھا۔ نیچے گاڑی کھڑی تھی۔ آج حمزہ خود لینے آئے تھے۔ اپنا بیگ اٹھا کر ابو کے آفس میں آ گئی۔

"ابو! میں جا رہی ہوں؟"

"اتنی جلدی بیٹا!"

"جی ابو! آج حمزہ جلدی آ گئے ہیں۔"

"او کے بیٹا!" انہیں اللہ حافظ کہہ کر باہر آ گئی۔ فورتھ فلور سے گراؤنڈ فلور پر آنا آج مشکل لگا۔

وہ تیز تیز سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ ایکدم سے پاؤں پھسلا۔۔۔ کاریڈور میں پانچ چھ آدمی کھڑے تھے، شاید کسی آفس میں شیشے لگ رہے تھے۔ سیڑھیوں پر کانچ کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ سارے کانچ اس کی ٹانگ میں چبھ گئے۔

"اوہ۔۔" سب مرد اس کی طرف بڑھے۔ وہ ایکدم سے کھڑی ہو گئی۔

"میڈم! چوٹ تو نہیں لگی؟" مرد حضرات یہی پوچھ سکتے تھے۔

"اوہ۔ نہیں۔ پتا نہیں کیسے گر گئی۔" یہ کہہ کر اس سے زیادہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ ٹانگ میں ہلکی سی تکلیف کا احساس ہوا لیکن جھک کر دیکھا نہیں۔

باہر نکلی اور تیزی سے پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ حمزہ نے تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے بڑھا لی۔

اس کے گھر اسالٹس لے کر بازو سے آستین اونچی کی۔ جگہ جگہ خراشیں آئی تھیں۔ اس نے جھک کر پائنچا اونچا کیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ پوری ٹانگ خون سے بھری ہوئی تھی۔ چوٹ بہت شدت سے لگی تھی۔

گھر جاتی تو ممی ڈاکٹرز کی فوج جمع کر لیتیں۔ بہت فکرمند ہو جاتیں، وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ آگے بیٹھے شخص سے صرف کاغذی ناتا تھا۔

مگر اسی ناتے سے اسے آج کام تھا۔

"پلیز، گاڑی ذرا اس کلینک کے آگے روک لیں۔" یہ پہلی بات تھی جو اس نے کی۔

حمزہ نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھی۔

"یہ سامنے والے کلینک پر۔" اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے گاڑی روک دی۔

وہ باہر نکلی۔ "اگر آپ کو جلدی ہے تو آپ چلے جائیے گا۔" اس نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں۔ کلینک بھی گھر سے دور تھا۔ یہ کیسے آئے گی۔ وہ بے خیالی میں اسے دیکھتا رہا۔ شانوں پر دوپٹہ سنبھالے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ اچانک چونک گیا۔ اس کے جوتے فرش پر خون کے نشان چھوڑتے جا رہے تھے۔

"اسے کیا ہوا۔۔؟" کوئی جذباتی رشتہ نہیں تھا لیکن وہ پریشان ہو گیا۔ جلدی سے باہر نکلا۔ کلینک میں آیا۔ ڈاکٹر اس کی ٹانگ کے زخموں کی ڈریسنگ کر رہی تھی۔

"دیکھ کر چلنا تھا۔ اگر شیشے اندر تک چلے گئے ہوں تو پھر۔۔"

اس کا چہرا زرد ہو رہا تھا۔ مگر مسکرا رہی تھی۔

"زخم گہرا ہے۔ ڈریسنگ کرواتی رہنا۔" ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا۔

اور حمزہ منہ کھولے اسے دیکھتا رہا۔ ضبط کی انتہا پر تھی۔ وہ جلدی سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی آ گئی۔ بالکل نارمل انداز میں چل رہی تھی جب کہ معمولی سی چوٹ کو لڑکیاں اشتہار بنا لیتی ہیں۔ اس وقت قرینہ اسے غیر معمولی لڑکی لگی۔

گیرج میں گاڑی روکی۔ ممی لان میں تھیں۔

"اچھا ہوا قرینہ! تم آ گئیں۔ میں تمہیں ہی فون کر رہی تھی۔ مگر انگیج جا رہا تھا۔"

"خیریت ہے ممی!" وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"ہاں، آج بیگ صاحب کی فیملی رات ڈنر پر آ رہی ہے۔ اچانک ہی پروگرام بن گیا۔ ذرا اپنی نگرانی میں کھانا پکوا لینا۔ سامان میں نے منگوا دیا ہے۔"

"جی اچھا ممی!" وہ بیگ اٹھا کر اندر چلی گئی۔

حمزہ کی نظریں اس کے تعاقب میں گئیں۔ اس کی رفتار نارمل تھی، اور رخ کچن کی طرف۔

کس برداشت کی یہ لڑکی ہے، چہرے سے تکلیف کا بھی اظہار نہیں۔ وہ کس ناتے ہمدردی کرتا۔

پائنچوں نے اس کے زخم کو چھپا لیا تھا۔ جوتوں کی وجہ سے پیر زخمی نہیں ہوئے تھے۔ پھر وہ اسے نوٹ کرتا رہا۔ سارا کام اس نے اپنی نگرانی میں کروایا۔ تین چار ڈشز خود بنائی تھیں۔ پھر مہمانوں کا استقبال کیا۔ چائے۔ کھانا۔ باتیں۔ ایک پل کے لیے وہ درمیان سے نہیں اٹھی۔ نہ اس کے چہرے پر تھکان تھی۔ اسے یاد تھا۔ ایک دفعہ ممی نے بڑی بھابی کو دعوت کا کھانا پکانے کے لیے کہا تھا، اور انہوں نے گھر کو سر پر اٹھا لیا تھا۔

جب کہ قرینہ زخمی بھی تھی، اور دفتر سے تھکی ہوئی آئی تھی۔ لڑکیوں میں اتنا تضاد۔ کیا لڑکیاں اس قسم کی بھی ہوتی ہیں۔ حمزہ کو احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ اس کے متعلق سوچ رہا ہے۔ جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

صبح اس نے آفس سے چھٹی کر لی۔ وجہ یہ بتائی کہ موڈ نہیں ہے۔ کافی ساری ٹیبلٹ کھا کر اس نے درد کی شدت کو روکا تھا۔ ڈریسنگ کے لیے کس کے ساتھ جاتی۔

شام تک حمزہ اس کو دیکھتا رہا۔ وہ نارمل انداز میں گھر میں گھوم رہی تھی۔ پوچھنا چاہتا تھا مگر پوچھ ہی نہیں سکا۔ کس ناتے پوچھتا۔ اور پھر وہ بتا بھی دیتی۔ یہ ضروری نہیں تھا۔ کیا رشتہ تھا

اگلے دن آفس سے واپسی پر اس نے کلینک کے باہر گاڑی رکوالی۔

"مجھے اپنی دوست کی خیریت پوچھنی ہے۔" اس نے گاڑی روک دی۔

جانے کب اس کے زخم بھر گئے تھے۔ حمزہ یا کسی اور کو خبر ہی نہ ہو سکی۔

اپنے گھر بھی جاتی تو وہ ایسے ہی گھومتی تھی کسی سے اس کی دوستی ہی نہیں تھی۔ امی کو بتا کر کیا پریشان کرتی۔ عادل ہوتا تو بن کہے اس کا دکھ سمجھ لیتا تھا۔

حمزہ غیر ارادی طور پر اس کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ ایسی لڑکی اس نے پہلی بار دیکھی تھی۔ دوسروں کی خدمت کرنا، انہیں خوش رکھنا اور اپنے دکھ چھپا لینا۔

ان کی شادی کو ایک سال ہو گیا تھا اور رابطہ روزِ اول کی طرح تھا۔

وہ تو شاید پیدا ہی اس لیے ہوئی تھی۔ دوسروں کی خدمت کرے اور ان میں خوشیاں بانٹے۔

اس روز ممی، پاپا اور حمزہ لان میں بیٹھے تھے، آفس کے کسی معاملے پر ڈسکس ہو رہی تھی۔

قرینہ شاید اندر تھی۔

اچانک ہی اوپر سیڑھیوں سے قرینہ بھاگتی ہوئی آئی۔ وہ شاید نہا کر نکلی تھی۔ بالوں میں بندھا تولیہ بھاگنے سے پھسل کر نیچے گر گیا تھا۔ گیلے بال اس کے اطراف میں پھیل گئے تھے۔ ایک ہاتھ سے اس نے اپنا منہ دبایا ہوا تھا۔

"الٰہی خیر۔۔!" ممی اٹھ کر بھاگیں۔ پاپا اور حمزہ ان کے پیچھے۔

"کیا ہوا بیٹا؟"

"ممی۔ ممی۔۔!" وہ بے قراری سے ان سے لپٹ کر رو دی۔ "میرے ابو۔۔!"

"کیا ہوا؟" ممی بھی دہل گئیں۔

"انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اسپتال میں ہیں۔"

اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔

ممی نے اسے گلے لگا لیا۔ بال سمیٹے۔

"حوصلہ کرو قرینہ! ہم ابھی اسپتال چلتے ہیں۔"

اس کے آنسو تھم نہیں رہے تھے۔ اس کا انگ انگ اشکبار تھا۔ اس کے بالوں میں سے پانی گر رہا تھا۔ حمزہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ عام سی لڑکی اس وقت کتنی حسین لگ رہی تھی۔

یہ حسن کا کون سا روپ تھا۔

ممی اسے لے کر آئیں۔ حمزہ نے کار ڈرائیو کی۔ اسپتال میں سب جمع تھے۔ ایک دوسرے کو تسلیاں

دے رہے تھے۔ وہ فوراً ڈاکٹرز کے روم میں چلی گئی۔ مسلسل رونے سے وہ نڈھال ہو رہی تھی۔ ڈاکٹرز نے خیریت کی خبر دی تھی۔ باہر نکلی تو بہت زرد لگی حمزہ کو۔ دوسرے لمحہ وہ چونک گیا۔ وہ شاید خون دے کر آئی تھی۔

دوپٹہ چہرے پر بندھا ہوا تھا۔ ہونٹ دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔

ڈاکٹر کسی سے ملنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

"پلیز، آپ لوگ جائیں۔ وہ صبح تک نارمل ہو جائیں گے۔"

کسی کو بھی ان کے پاس رکنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر ممی زبردستی رک گئی تھیں۔

قرینہ بھی رکنا چاہ رہی تھی۔

ڈاکٹر نے پیار سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔ "تم فکر نہ کرو۔ ہم ہیں ان کے پاس۔ تم نے خون دیا ہے، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"پلیز ڈاکٹر! میرے ابو کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر رو دی۔ مسلسل رونے سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ بے فکر رہو۔ صبح تک تمہارے ابو ٹھیک ہو جائیں گے۔"

عادل، عامر، آپی سب اُسے تسلی دے رہے تھے، مگر اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔

ممی نے اُسے ساتھ لگا لیا۔ "فکر مت کرو، صبح تک ٹھیک ہو جائیں گے۔"

حمزہ کو ایک دم سے اس سے ہمدردی سی ہونے لگی۔

اس کی چاہت کا اظہار، مسلسل بہنے والے یہ آنسو تھے۔ جو کبھی کسی موقع پر نہیں بہے تھے، نہ کچھ کھا رہی تھی، نہ پی رہی تھی۔ ایک ہی رٹ تھی۔ جب تک ابو کو ہوش نہیں آئے گا۔ وہ کچھ نہیں کھائے گی۔ رات کو جب بھی حمزہ کی آنکھ کھلی۔ وہ اُسے زیرلب کچھ پڑھتی ہوئی نظر آئی۔

محبتوں کے نئے اسرار اس پر منکشف ہو رہے تھے۔ اتنی شدت، اتنی محبت، اس نے کہیں نہیں دیکھی تھی، پاپا کی طبیعت خراب ہوئی تھی، اور [illegible] چار دن بعد آئی تھی۔

یہ لڑکی محبت کی کیسی مٹی سے گندھی [illegible] سوتے جاگتے یہی سوچتا رہا۔

صبح ڈاکٹر نے ابو کے نارمل ہونے کی اطلاع دی، وہ سجدۂ شکر بجا لائی۔

ممی اسی وقت اُسے اسپتال لے آئیں، [illegible] میں اس نے ڈھیر سارے سفید پھول خریدے، [illegible] کو بہت پسند تھے۔

ڈاکٹر کی موجودگی میں سب ابو سے مل رہے تھے۔ حمزہ نے دیکھا۔ قرینہ نے سارے پھول ان کے ہاتھوں میں تھما دیے تھے۔ ایک ہاتھ سے ان کا ہاتھ تھام کر چوما۔ ان کی پیشانی چومی اور پھر اپنا سر اس نے ابو کے سینے پر پھولوں کے اوپر رکھ دیا۔ کتنے آنسو ٹوٹ کر ان پھولوں میں جذب ہو گئے۔

"ابو! آپ کو اگر کچھ ہو جاتا تو میں بھی مر جاتی۔" پھر ان کا ہاتھ چوما۔

"کیسی ہے ہماری بیٹی؟" انہوں نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"بالکل ٹھیک ابو۔" وہ روتے ہوئے ہنس دی۔ دھوپ چھاؤں کا منظر حمزہ کے دل میں اتر گیا۔ دھیرے سے اس کے برابر کھڑے ہو کر ابو سے ملا۔

"ابو! یہ سب کیسے ہو گیا؟"

"بوڑھے ہو گئے ہیں نا بیٹا! تو دل بھی ایسے ہی دھوکے دے گا۔" وہ ہنس دیے۔

"کوئی نہیں بوڑھے ہوئے آپ۔" اس نے بات کاٹ دی۔

ڈاکٹر نے ان سب کو یہ بات بتا کر حیران کر دیا کہ قرینہ نے ایک بوتل خون دیا ہے۔

"کب۔ کب۔؟" سب چیخنے لگے۔

"باسط علی بہت کمزور ہیں۔ خون کی ضرورت تھی ہم بتانے کے لیے آ ہی رہے تھے کہ قرینہ بیٹی آ گئی، اس نے اپنا خون چیک کروایا۔ خوش قسمتی سے گروپ مل گیا۔ یوں آپ لوگوں کو بتانے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔"

ابو نے اُسے پھر سینے سے لگا لیا۔ "میری بیٹی

[illegible] پیاری ہے۔ اللہ میاں اسے خوش رکھے۔"

"آمین۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

[illegible] کو اپنی بہو پہ بہت پیار آ رہا تھا۔

اور حمزہ اس کے چہرے پر پھوٹتی خوشی کو دیکھ [illegible] جو اپنے باپ کو صحت مند دیکھ کر اس کے [illegible] پر پھیل رہی تھی۔

[illegible] قدر لازوال محبت تھی اس کی۔ حمزہ کو بہت [illegible]۔ محبتوں کا ایسا اظہار اس نے کبھی دیکھا [illegible] تھا۔

ابو کلینک سے گھر گئے تو وہ پورا ایک ماہ ان کے پاس رہی۔

آپی۔ ایبا۔ زرین گھرداری اور بچوں میں مصروف تھیں۔ فریحہ کو کچھ نہیں آتا تھا۔ نتاشا آذر بھائی کے [illegible] آئی ہوئی تھی۔ نخرہ نوکروں کے درمیان رہنے والی نتاشا کو سوپ بنانا نہیں آتا تھا۔

اس نے جی جان سے خدمت کی، حمزہ، ممی، پاپا روز آتے تھے خیریت پوچھنے۔

ابو عامر کی شادی کے پروگرام بنا رہے تھے۔ عامر کے ساتھ ہی فریحہ کی شادی بھی کرنے کا ارادہ تھا۔ شکرانے کے نفل عادل پڑھ رہا تھا کہ اب اس کا نمبر آ رہا ہے۔ اس نے اپنی شرط میں کوئی رد و بدل نہ کیا تھا۔ وہ یہی کہتا تھا کہ اسے سانولی سلونی محبوبہ چاہیے۔ اور امی مذاق ہی سمجھتی تھیں۔

اس روز حمزہ آیا تو گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی، ابو سو رہے تھے۔ فریحہ نے ہی اٹینڈ کیا۔

"اس وقت کیسے حمزہ بھائی؟"

"کیوں، بے وقت آنے پر پابندی ہے کیا؟"

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ دراصل ابو سو رہے ہیں نا۔"

"قرینہ کہاں ہیں۔" پہلی دفعہ اس کا نام لیا تو عجیب سا لگا۔

"وہ شاید باتھ لے رہی ہیں۔"

حمزہ وہیں بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ماشاء اللہ۔ گھر کی ڈیکوریشن تو تم نے خوب کی ہے۔" اس نے گھر کی سجاوٹ کو سراہا۔

"اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ سب قرینہ کے شوق ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہی اپنے مختلف کورسز گھر میں آزماتی رہتی ہیں۔ انہی کی ڈیکوریشن ہے۔"

"ویری گڈ۔" حمزہ نے سراہا۔

"میں آپ کے لیے اسکوائش بناتی ہوں۔" فریحہ کھڑی ہو گئی۔

"آتا ہے بنانا؟" اس نے شرارت سے دیکھا۔

"کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔"

"رہنے دو، فی الحال مجھے قرینہ تک پہنچا دو۔"

وہ کھڑا ہو گیا۔

"چلیے۔" حمزہ نے اس کے ساتھ قدم بڑھائے۔

"اپنے آبائی کمرے میں ہوں گی۔"

"آبائی کمرے میں؟"

"جی بچپن سے ان کا ایک کمرا ہے جو انہیں بہت عزیز ہے، جو انہوں نے شادی کے بعد بھی کسی کو نہیں دیا۔" حمزہ کو حیرانی ہوئی۔

"یہاں سیڑھیوں سے اوپر جائیں، آخری گول ستون اور وائیٹ ڈور والا روم ان کا ہے۔ پہنچ جائیں گے۔" فریحہ نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

"کوشش کرتا ہوں۔" وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

کس قدر سکون اور بے فکری سے وہ اپنے بیڈ پر سوئی ہوئی تھی۔ دوپٹہ بہت دور تھا۔ بالوں کا گھنا سیاہ بھیگا ہوا جنگل اس کے اطراف میں تھا۔ چہرے پر بازو تھا۔ پائنچے تھوڑے سے اُٹھے ہوئے تھے۔ اتنی بے تکلفی سے تو وہ کبھی گھر کے بیڈ روم میں بھی نہ سوئی تھی۔ اس پر سے نظریں ہٹا کر دیکھا۔ کمرا باذوق ہونے کی پوری دلیل پیش کر رہا تھا۔ حمزہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

انسان کیا پسند کرتا ہے، اور اُسے کیا مل جاتا ہے۔

شیلف میں مختلف کتابیں سجی تھیں۔ منی پلانٹ

کی مختلف قسمیں خوبصورت بوتلوں میں لگی تھیں۔
حمزہ بے تکلفی سے بیٹھ گیا، پہلی دفعہ اس طرح اس کے کمرے میں آیا تھا۔
اس میں اور دوسری لڑکیوں میں اتنا تضاد کیوں ہے۔ سوچ۔ انداز۔ فکر۔ اطوار ہر چیز مختلف ہے۔
حمزہ نے آنکھیں موند لیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے ایمل تھی، کھلی آنکھوں کے سامنے قرینہ تب، ایمل اس کی محبت تھی، اور قرینہ ممی کا انتخاب، فیصلہ بے حد مشکل تھا۔ وہ محبت کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔
یہی کچھ سوچتا ہوا جانے کب خوبصورت کمرے کے ــــــ سکون انگیز ماحول میں سو گیا۔
آنکھ کھلی تو دریچے کے پردے وا تھے، اور بیڈ پر کوئی نہ تھا۔
گہرا سانس لے کر اُٹھا۔ باتھ روم میں منہ دھویا۔ باتھ روم میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔
وہ ہاتھ منہ دھو کر نیچے آ گیا۔
قرینہ ابو کو چائے دے رہی تھی۔ ایک کپ اس کی طرف بھی بڑھا دیا۔ دیگر لوازمات کے ساتھ، جھکی ہوئی نظروں کے سنگ۔ کتنی عجیب بات تھی۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد بھی وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہے۔
"گھر میں سب خیریت ہے؟"
"ہاں، سب خیریت ہے۔ بس کل پاپا کی طبیعت ذرا خراب ہوئی تھی۔ اور ممی کو موسمی فلو ہے۔"
"کسی ڈاکٹر کو دکھایا؟"
"ہاں، کل پاپا کے ڈاکٹر افتخار نے ہی ممی کا چیک اپ کیا تھا" کتنی تفصیل سے بتا رہا تھا، مگر کیوں ــ
"فرح بھابی ہیں گھر میں ــ؟"
"میکے گئی ہیں اپنے ــ"
اور پھر بہت دیر بعد وہاں سے اُٹھ کر سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر آیا۔ گاڑی نکالی۔ تو قرینہ بھی سب کو خدا حافظ کہتی ہوئی باہر آ گئی۔
وہ اس کے ساتھ ہی گھر جا رہی تھی۔ حیرت کے ساتھ ساتھ اسے اچھا بھی لگا۔
"پاپا کی طبیعت اتنی زیادہ خراب نہیں ہے۔"
حمزہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔
"ابو کی طبیعت بھی ٹھیک تھی، پھر مجھے بھی کافی دن ہو گئے تھے۔" وہ باہر دیکھ رہی تھی۔
اس کے بعد ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔
ممی، پاپا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔
"اتنی جلدی کیوں آ گئیں بیٹا!" ممی نے ساتھ لگا لیا۔
"بہت دن ہو گئے تھے ممی! میں نے سوچا آپ نے تو بلوانا نہیں ہے۔ خود ہی چلی جاؤں۔"
یہ کہتے ہوئے بے ارادہ ہی نظریں پاپا کے ساتھ بیٹھے حمزہ کی طرف اُٹھیں، جو اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔ جلدی سے زاویہ بدل لیا۔
اسے اپنی آنکھوں پر کنٹرول تھا۔ جو چیز اپنی نہیں۔ اُسے نہیں دیکھنا۔
"نہیں بیٹا! تمہارے ابو کی وجہ سے نہیں بلوایا۔ ورنہ ہم سے پوچھو، تمہارے بغیر کس طرح رہے ہیں۔" ان کے لہجہ میں محبت کی خوشبو تھی۔
"میں مذاق کر رہی تھی ممی! جانتی نہیں آپ کو؟" اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔
"کھانا کھایا تم نے؟"
"جی گھر سے کھا کر ہی نکلے ہیں۔"
اور پھر وہ ان کے ساتھ بیٹھی کتنی دیر تک ان کی طبیعت کے متعلق پوچھتی رہی۔ باتیں کرتی رہی۔ حمزہ جانے کب اُٹھ کر چلا گیا تھا۔

اگلے چند دن آفس جانے کے بجائے گھر پر ہی گزارے۔ ممی پاپا کے ساتھ ہی رہی۔ ممی نے ہی بتایا کہ جونہی ان کی طبیعت خراب ہوئی تھی، فرح اپنی ماں کے گھر چلی گئی تھی۔ اس کی بہن کی شادی ہے۔ تیاریاں کروا رہی ہے۔ رضا یہیں رہتا ہے۔ کھانا ادھر ہی کھاتا ہے۔ اسے تھوڑا سا افسوس ہوا، مگر وہ دوسروں کے معاملات میں بولنے کی مجاز نہیں تھی۔
آج کل حمزہ اس کے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ نہ

ن سوچتا بلکہ اُسے قرینہ ایک غیر معمولی لڑکی لگی تھی۔ کتنا فرق تھا دوسری بھابیوں اور قرینہ میں۔ کس قدر مختلف سوچ تھی اس کی۔
رات وہ پاپا سے آفس کی پرابلم ڈسکس کر رہا تھا کہ وہ بھی آ گئی۔ پاپا نے اُسے الجھن بتائی تو قرینہ نے مشورہ دیا، جو پاپا کو بہت پسند آیا۔
پھر وہ اکثر ہی آفس کے بارے میں اس سے ڈسکس کرنے لگے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے مشورہ پر عمل کر لیتا تھا۔
اپنی زندگی میں اس نے کم از کم اس قسم کی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ اتنی صابر۔ اتنی محنتی۔ کیا دیا تھا اس نے۔ اور کیا دے رہی تھی وہ اس گھر کو۔
حمزہ کبھی کبھی شرمندہ ہو جاتا، لیکن ایمل اس کی شرمندگی کے اثر کو زائل کر دیتی تھی۔ اس کا حسن بہت مدہوش کن تھا۔
آج کل ایمل اصرار کر رہی تھی کہ شادی کر لینی چاہیے۔ ہمیں اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا۔
"ممی، پاپا نہیں مانتے۔" اس نے سگریٹ کا دھواں اس پر چھوڑا۔
"تمہارے ممی، پاپا کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے، ہونا ہوتا تو پہلے ہی ہو جاتے۔ اب ہمیں ہی کوئی قدم اُٹھانا پڑے گا۔" اس کا لہجہ باغیانہ تھا۔
"مثلاً ــ!"
"مثلاً یہ کہ ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔ میرے ممی، ڈیڈی تو راضی ہیں۔ تم بھی خود مختار ہو۔ اپنا کماتے ہو۔ کیا میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے۔"
حمزہ سناٹے میں آ گیا۔ کتنی آگے پہنچ گئی تھی ایمل۔ ماں باپ کی عزت، غیرت۔
"بولو کیا کہتے ہو ــ؟" اُسے جانے کس بات کی جلدی تھی۔
"تمہیں اتنی جلدی کس بات کی ہے شادی مجھے تم سے ہی کرنی ہے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ کیا تمہارے ممی، ڈیڈی راضی ہو جائیں گے؟"
"انہیں راضی کرنا میرا کام ہے۔ تم اپنی بات کرو۔" اس کے لہجے میں ناراضگی آ گئی۔
"تم ناراض کیوں ہوتی ہو۔ بس تھوڑے دِنوں کی بات ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔"
ایک دم ہی اُسے اپنے لفظوں کے کھوکھلے پن کا احساس ہوا۔
سمندر کی تیز ٹھنڈی ہواؤں نے ان دونوں کے چہروں کو چھو لیا۔
اس کا ہاتھ تھام کر وہ ساحل پر دھیرے دھیرے چلنے لگا۔
یہ ٹھیک تھا کہ ایمل اس کی محبت تھی مگر اس کی کورٹ میرج والی بات نے اُسے ایک دم سے بلندیوں سے پستی میں پھینک دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایمل ایسی بات کر سکتی ہے۔
اُسے کہیں پڑھی ہوئی اس بات کا یقین آ گیا، عورت لفظوں سے کھیلنا جانتی ہے یہ لفظ ہی اُسے بلندی پر پہنچا دیتے ہیں۔ اور یہ لفظوں کا کھیل ہی کبھی کبھی زمین کی پستیوں میں لے جاتا ہے۔
اور اب اس وقت وہ ایک دم سے اس کے دل سے اُتر گئی تھی۔
وہ بے باک تھی، مگر اس بے باکی کی اُسے توقع نہیں تھی۔

آج کل برسات کا موسم اپنے عروج پر تھا، ممی پاپا اپنے کمرے میں تھے۔ فرح اس طرف نہیں آتی تھی۔ حمزہ یقیناً برسات کا مزا لے رہا ہو گا باہر۔
وہ کاریڈور میں لگے ستون سے ٹک کر لان میں تیزی سے برستی بارش دیکھنے لگی۔ بارش اس کی کمزوری تھی، اپنے کمرے کے دریچے سے ٹک کر گھنٹوں بارش کو دیکھتی رہتی تھی۔ کبھی اس میں بھیگی نہیں تھی۔
بارش کو دیکھتے ہوئے اس کے احساسات بہت عجیب سے ہو جاتے تھے۔ خیالوں کا سفر اُسے بہت دور لے جاتا تھا۔
گہرا سانس لے کر اس نے سر اُٹھایا۔
اس نے تو ساری سوچیں۔ سارے جذبات ایک شخص کے لیے اٹھا رکھے تھے۔ کیا ملا اسے۔

نہ کوئی ماضی کی خوبصورت یاد۔ نہ مستقبل کا سنہرا خواب۔

اس کی زندگی میں اپنی ذات کے نام کی کوئی خوشی نہیں۔

اس کے منجمد احساسات کے لیے کوئی خوبصورت گرم لمحہ نہیں۔ اس کی زندگی کیا اسی تگ و دو میں ختم ہو جائے گی۔

آج اس برسات کے ساتھ اس کا بھی بہت سارا رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ وہ انسان تھی فرشتہ نہیں، اور جذبوں کو جگا کر سلانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ شادی سے پہلے اسی لیے خود کو مصروف رکھا۔ وہ اپنے بہن بھائیوں کے درمیان عجوبہ تھی، سب خوبصورت تھے وہ کم صورت تھی۔ عجیب سی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

اس نے خود کو پڑھائی میں مصروف کر لیا تھا۔ گھریلو کاموں میں اُلجھا لیا تھا۔

بڑے صبر کے ساتھ اس نے اپنے ہم سفر کا انتظار کیا تھا۔

مگر کبھی کبھی قسمت بھی کہاں لا کر مارتی ہے۔

اس کی قسمت اس کے رنگ کی طرح سیاہ تھی۔

اب کس کا انتظار تھا۔ اب کسی کو نہیں آنا تھا۔ آنے والا اپنی راہ کا تعین کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔ اُسے حمزہ سے بھی کوئی شکایت نہیں تھی۔ اگر تھی تو صرف اتنی کہ وہ پہلے ہی اپنی راہ کا تعین کر لیتا۔

وہ صبر سے انتظار کرتی رہتی۔ نہیں ملتا تو اچھا ہوتا۔ کم سے کم ایسے ملنے سے۔

اپنی ذات کے دُکھ کو چھپانے کے لیے اس نے یہاں بھی خود کو مصروف رکھا تھا۔ اتنا مصروف کہ رات کو تھک کر بستر پر لیٹتی تو اُسے بیڈ پر لیٹا حمزہ بھی نظر نہیں آتا۔

اگر یہی زندگی کا مقصد تھا تو پہلی زندگی بُری تھی کیا؟

آج اس کا رونے کو بہت دل چاہ رہا تھا اور برسات میں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ پہلے اس لیے نہیں روتی تھی کہ بہن بھائی ترس نہ کھائیں۔ اُسے ہمدردی پسند نہ تھی۔

بارش کی تیز بھوار نے ایک دم سے اُسے بھگو دیا۔

اس کے اندر کا سمندر بھی بہہ نکلا۔ ... تھا اپنے جذبوں کو، احساسات کو کتنا بھی ... کر لیتی۔ تھی تو انسان۔ آج اس کے بند ... گئے تھے۔ اور ان کی ٹوٹی ہوئی طنابوں کو ... والا کوئی نہیں تھا۔

چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے لان میں آ... تو اس کی آنکھوں سے بھی پانی بہہ نکلا۔

کوئی نہیں تھا جو روکتا۔

کوئی نہیں تھا جو ٹوکتا۔

کوئی نہیں تھا جو اس کے ساتھ چلتا۔

کوئی نہیں تھا جو اس کے اندر کی برسات ... ہتھیلیوں پر سنبھال لیتا۔

جانے کتنی دیر تک اس طویل لان میں بھیگتی رہی، سوچتی رہی، روتی رہی۔

ان لمحوں میں اُسے عمیر بھی یاد آیا۔ جو اس کی چاہت کے لیے کشکول لیے کھڑا تھا۔

طلحہ بھی جو اس کے ساتھ پڑھتا تھا، اور اس کا ساتھ چاہتا تھا۔

ایاز بھی یاد آیا، جو رشتہ بھیجنا چاہتا تھا۔ بہت محبت تھی اس کو، اس سے۔ مگر کالج میں آ کر دیکھنے والی اس کی ماں نے کالی کہہ کر ٹھکرا دیا تھا۔

اس کا ماضی کتنا خالی تھا۔ اور مستقبل کتنا تاریک۔

لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس نے دل کا سارا بوجھ ہلکا کر لیا۔

بارش ابھی تک اپنے بام پر تھی کہ حمزہ کی گاڑی اندر آ گئی۔

اس کے سامنے اُٹھ کر اندر نہیں جانا چاہتی تھی۔ ایسے ہی ہاتھ پھیلا کر پانی کو مٹھیوں میں بند کرنے لگی۔ سر اُٹھا کر بوندیں چہرے پر گرانے لگی۔ آنسو پانی میں مل گئے۔

حمزہ گاڑی لاک کر کے بھاگتا ہوا کاریڈور میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

اوپر کی سیڑھیوں پر بیٹھی قرینہ نے اُسے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

وہ تنہا بیٹھی تھی۔ اس وقت حقیقت میں اُسے بہت تنہا اکیلی لگی۔

جیسے ڈار سے بچھڑی ہوئی کونج۔

جیسے صحرا میں ویرانہ میں کھڑا ہوا درخت، مسافر جس کے نیچے آ کر پناہ لیتے ہوں۔

اور وہ موسموں کی شدت تنہا خود پر جھیلتا رہے۔

وہ بھی تو اس درخت کی مانند تھی، اس کا دل، ضمیر، وجود گواہ تھا۔ بہت کچھ جھیلا تھا اس نے خود پر۔ اور کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا۔

وہ اُسے دیکھتا ہوا اندر آ گیا۔ اس کی بھیگی ہوئی تنہائی نے اسے شرمندہ کر دیا۔

کیا اس لیے ایک لڑکی اپنا گھر چھوڑتی ہے۔

سارے احساسات زندہ ہونے لگے۔

ممی، پاپا اپنے بیڈ روم میں تھے۔

اگر وہ جاگ رہے ہوتے تو یقیناً ان کی خدمت میں لگی ہوتی۔

”کس بات کی کمی ہے اس میں؟“

حمزہ اپنے بیڈ پر گر گیا۔

کوئی نہیں جو اس کے زخموں پر محبت کے پھاہے رکھے۔

کوئی نہیں جو اس کے درد سمیٹے۔ کتنی دیر تک لیٹا اس کو ہی سوچتا رہا۔

اصل اُس کے دل میں نہیں تھی۔ دودھ کے اُبال کی طرح اس کا جوش ختم ہو گیا تھا شاید۔

بہت دیر بعد وہ اُٹھ کر باہر آیا۔ ممی، پاپا ٹی وی لاؤنج میں تھے۔

کپڑے تبدیل کر لیے تھے اس نے۔ گیلے بال تولیے میں لپیٹے ہوئے تھے

”تھینبی! برسات کا مزا تو اب آتا ہے۔“ پاپا نے کچوریاں اپنی پلیٹ میں ڈالیں۔

اس نے چائے سرو کرتی قرینہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں ہلکی ہلکی سوجی ہوئی تھیں۔

”میری بہو نے بنائی ہیں۔“ ممی نے ناز سے کہا۔

اس نے زیر لب مسکرا کر چائے کی پیالی اس کے آگے رکھی۔

اس کی سوجی ہوئی آنکھوں نے اُسے الجھا دیا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟

”لو بیٹا!“ ممی نے پکوڑے اُس کے آگے کیے۔

اس نے ایک پکوڑا اُٹھا لیا۔ قرینہ پاپا سے باتیں کر رہی تھی۔

اب وہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر۔۔۔

اس دفعہ برسات پورے زور و شور کے ساتھ گزر رہی تھی۔

ایمل کا فون آیا تھا۔ وہ شادی پر زور دے رہی تھی۔

وہ فون پر بات کر رہا تھا اور قرینہ ٹرالی کے پاس جھکی کوئی کام کر رہی تھی۔

”بس چند دن اور پھر یہ آزمائش ختم ہو جائے گی۔“ اُس نے دلاسا دیا۔

صبح آفس جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھی تو حمزہ نے تھوڑی دور جا کر گاڑی روک لی۔ وہ یہی سمجھی کہ کوئی کام ہو گا۔

”میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، آگے آ جاؤ۔“

حمزہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

بالکل غیر متوقع سی بات تھی۔ وہ چونک گئی۔

”جو بھی بات تھی، آپ گھر میں کر لیتے۔ میں کوئی اجنبی تو نہیں۔“ دوسری نظر نہیں ڈالی تھی۔

”میں ممی کی موجودگی میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ کہیے میں سُن رہی ہوں۔“ اس نے زیادہ بحث مناسب نہیں سمجھی۔

”آگے آ جاؤ۔“

”سوری، میں اِدھر ہی ٹھیک ہوں۔“

اُسے چھین کر، لڑ کر، جھپٹ کر اپنا حق لینا آتا تو بہت پہلے لے لیتی۔

”میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ حملہ بالکل اچانک تھا، اور وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

”کوئی رکاوٹ تو نہیں ہے۔“ اپنے دل کو سنبھالا۔

سمجھایا کر سامنے بیٹھے شخص سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

"تمہاری اجازت درکار تھی۔" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ وہ چونک گئی۔ شاید مذاق کر رہا ہو۔

"میری اجازت آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہمارے درمیان کوئی ایسا ناتا بھی نہیں ہے۔"

"بہر حال، تم میری پہلی بیوی ہو۔" وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے برداشت کی، صبر کی حد دیکھنا چاہتا تھا۔

"اور کل کو تم مجھے عدالت میں بھی گھسیٹ سکتی ہو۔"

(میں نے تو کبھی آپ کو اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا نہیں کیا، تو کسی دوسری عدالت میں کیا۔)

"ہر انسان کی اپنی خوشی، اپنی مرضی ہوتی ہے۔ اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ اپنی من پسند زندگی گزار دے۔ مجھے اتنا کم ظرف مت سمجھیے گا۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ اور وہ اس کی طرف دیکھ کر نہ صرف بات کر رہی تھی بلکہ مسکرا بھی رہی تھی۔

"میں تحریری بھی اور زبانی بھی آپ کو اجازت دیتی ہوں۔ لیکن صرف ایک بات کا خیال رکھیے گا۔" وہ سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں آپ کے ممی پاپا کی پسند ہوں۔ بہت چاہتے ہیں وہ مجھے۔ میرے ابو ہارٹ کے مریض ہیں۔ میری امی کے من پسند داماد ہیں آپ۔ اور عادل کو آپ بہت عزیز ہیں۔" وہ لمحہ بھر کو رکی۔ "مجھے طلاق مت دیجیے گا، ورنہ یہ سب لوگ بہت دکھی ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہو گی۔"

اس کا لہجہ نارمل تھا۔ ہونٹوں پر لرزش بھی نہیں تھی۔ کمال ضبط تھا۔ لیکن آنکھیں شدتِ ضبط کی گواہ تھیں۔ حمزہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ کتنی عزیز تھیں اُسے دوسروں کی خوشیاں، کہ اس نے اپنی زندگی کو دان کر دیا تھا۔

گاڑی میں خاموشی کے کئی لمحے بیت گئے۔

"اب چلیں۔ ابو انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس نے خود ہی خاموشی کو توڑا۔

حمزہ نے جھٹکے سے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا لی۔ ساتھ ہی ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ گاڑی سے باہر بہت اچھا موسم تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار تھی، اور بوندیں دل پر گر رہی تھیں۔

کس بنا پر صدائے احتجاج بلند کرے، کیا ہے اس کے پاس۔ کس دکھ پر ماتم کرے۔ ابو کا گھر آنے پر گاڑی روک دی۔

"مجھے یقین ہے آپ بہت خوش ہیں۔ کیا اس خوشی میں مجھے شریک کریں گے؟" اس نے کھڑکی میں جھک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" حمزہ سمجھا نہیں۔

"میں آپ کی شادی میں شریک ہونا چاہتی ہوں۔" اس نے ضبط کی انتہا کر دی۔

"کیا۔؟" حمزہ کو گویا کرنٹ لگ گیا ہو۔ کیسی تھی یہ لڑکی۔

"کیا مجھے اجازت ہو گی۔؟" اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"تم میری دوست بننے کا وعدہ کرو۔ تو۔" اس نے عجیب سی شرط لگا دی۔

"وعدہ!" اس نے بے ساختہ ہاتھ پھیلا دیا۔

"میں بہن، بیٹی، بہو سب کی شکل میں دوست ہوں۔ آج سے آپ کی بھی دوست ہوں۔" اس کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

حمزہ نے بے ساختہ اُسے دیکھتے ہوئے ہاتھ تھام لیا۔

عظمت کی کن بلندیوں پر تھی وہ۔

"تھینک یو۔"

"او کے۔ خدا حافظ۔" وہ مڑ کر اندر چلی گئی۔

حمزہ اُسے دیکھتا رہا۔ مگر ڈور کھول کر اندر جانے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہاتھ ہلایا اور اندر غائب ہو گئی۔ حمزہ نے اپنا سر اسٹیئرنگ پر جھکا دیا۔ کس قدر باہمت تھی وہ۔ اور کتنا بڑا امتحان لے رہا تھا وہ اس کا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے قرینہ نے سوچا۔ ایک دریا سے وہ گزر آئی تھی، اور اب ابو کا سامنا کرنا تھا۔ کیا وہ کر سکے گی۔ دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہی۔

اُسے لگ رہا تھا اُس کا دل آج بالکل خالی ہو گیا ہو۔ اس کی دھڑکن بہت سست تھی۔ دل چاہا کہ وہ اتنا روئے کہ سب جل تھل کر دے۔ اس نے دل کو سنبھالا۔ ابو کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

"السلام علیکم ابو۔!" اس کی کھلکھلاتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ ابو اور عامر متوجہ ہوئے۔ وہ ان کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ یہ دل برداشت کی بہت سی منزلوں سے گزر کر اب مجسم صبر بن چکا تھا۔ دل اب دل رہا ہی کب تھا۔

ممی لوٹ کر رہی تھیں۔ آج کل حمزہ بہت خوش ہے۔ قرینہ سے بھی باتیں کرتا ہے۔ اس کے پکائے ہوئے کھانوں کی تعریف بھی کرتا ہے۔ وہ یہی سمجھیں کہ پرانے عشق کو بھول گیا ہے۔ انہوں نے قرینہ کو لپٹا کر ڈھیر سارا پیار کیا۔

"میں نہ کہتی تھی کہ وہ ایک دن لوٹ آئے گا۔" اور وہ مسکرا کر ان کے سینے میں چھپ گئی۔ (میں نے اس کے لوٹ آنے کا انتظار کبھی نہیں کیا ممی)

ممی، پاپا کو دیکھ کر اس کا دل بھی اب قرینہ سے خدمت کروانے کو چاہ رہا تھا۔ وہ اس کا ردِ عمل بھی دیکھنا چاہ رہا تھا۔

پہلے سر درد، پھر موسمی بخار کا بہانا کر کے وہ بستر پر لیٹ گیا۔ ممی نے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے کہا۔ وہ اپنے دوست فیضان کے کلینک پہنچا۔ وہ بیٹھا کینسر کے مریض کی رپورٹیں دیکھ رہا تھا۔ جانے کیا سوجھی، دوائی کے ساتھ وہ بھی اُٹھا لایا۔ اپنی الماری میں ذرا آگے کر کے چھپا دیں۔ اگر نظر نہ آئیں۔

"کیا بتایا ڈاکٹر نے؟" ممی نے پوچھا۔

"ٹائیفائیڈ بتایا ہے۔" شاندار ایکٹنگ کی قرینہ واقعی پریشان ہو گئی۔

"ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔

"ایک دو دن نہیں پورے سات دن لیتا ہے۔ یہ بخار کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ قرینہ تم اس کی نگرانی کرو گی۔ مکمل ریسٹ کرے گا یہ۔" اور وہ معصومیت سے بستر پر لیٹ گیا۔

قرینہ جی جان سے اس کی خدمت میں لگ گئی۔ وقت پر پرہیزی کھانا، وقت پر دوائی کھلانا۔ حمزہ نے فیضان کو ساتھ ملا لیا تھا۔ وہ چیک کرنے گھر پر ہی آتا۔

اس کا بستر صاف کرنا، کپڑے استری کر کے دینا، اخبار، میگزین سے دلچسپ خبریں پڑھ کر سنانا۔ اس وقت وہ مکمل محبت کرنے والی بیوی تھی۔

"وہ فون کمرے میں لے آئی تھی۔ گھنٹوں وہ ایمل سے باتیں کرتا تھا۔

"سنو۔ آج میرا بلیک سوٹ استری کر دینا۔"

وہ اچھا کہہ کر برتن اُٹھا کر باہر نکل گئی۔ اپنے کام نپٹا کر اندر آئی تو وہ بے خبر سو رہا تھا۔ الماری سے سوٹ نکالا۔ نظر لفافے پر پڑی۔ اتنا بڑا لفافہ دیکھ کر کھینچ لیا۔ کھولا۔ تو رپورٹیں تھیں۔ روشنی میں دیکھا۔

"مائی گاڈ۔!" اس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔

"حمزہ کو کینسر ہے۔"

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، اس کے دل کو یقین نہیں تھا۔ کتنی دفعہ دیکھا۔ جلدی سے لفافہ ویسے ہی رکھ کر باہر آ گئی۔

"یا اللہ یہ کیا ہوا؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس نے چھپایا کیوں۔ ممی، پاپا کو تو حمزہ بہت عزیز ہے۔ رہ ہی نہیں سکتے اس کے بغیر۔

آنسو جو روک رکھے تھے، آج بے لگام ہو گئے۔ کتنی دیر تک رو رو کر حمزہ کی صحت کی دعا مانگتی رہی۔

اس کی راتوں کی نیند اُڑ گئی۔ کس طرح حمزہ سے بات کرے، اس نے تو چھپایا تھا۔

حمزہ نے نوٹ کر لیا کہ رپورٹیں دیکھی جا چکی ہیں۔ اس کی حالت بتا رہی تھی۔ چند دن بعد اس نے اپنے صحت مند ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور آفس جانا شروع کیا۔

"دیکھو، تمہاری بیماری میں قرینہ کی حالت کیا ہو

گئی۔" ممی نے اس کا ہاتھ تھاما۔
"آپ کہیں تو ممی میں بھی ان کی تیمارداری کر دوں
گا۔" حمزہ نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔
"چل ہٹ، خدا نہ کرے میری بہو بیمار ہو۔" ممی
نے اُسے ساتھ لگا لیا۔
"آج آفس نہیں جانا؟"
"نہیں، میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتی
رہی۔

اس کی فرضی بیماری کو اس نے بہت شدت سے
لیا تھا۔ رنگ زرد ہو گیا تھا۔ کتنے دنوں سے ایک
ہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ جب کہ وہ بہت نفاست
پسند لڑکی تھی۔ حمزہ کے دل کو عجیب سی خوشی ہوئی۔
وہ لڑکی اس کے لیے بے چین و بے قرار تھی۔ وہ اس
کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

کیا دل اب بھی اس کی محبت سے نہ بھرتا۔ کیا
اب بھی اس کی آنکھوں سے جھوٹی محبت کے پردے
نہ ہٹتے۔ وہ اس کے لیے راتوں کو جاگ کر سجدے
میں دعا کر رہی تھی، کیا اب بھی اس کی وفا پر یقین
نہ آتا۔

دل اس کے لیے بے چین ہونے لگا۔

وہ ایمل سے آخری بار ملا۔ وہ شادی کے لیے
کہہ رہی تھی۔ ضد کر رہی تھی۔ لڑ رہی تھی۔
"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔ میں ابھی شادی نہیں
کر سکتا۔"
"اب نہیں کر سکتے تو کیا بڑھاپے میں کرو گے؟"
اُسے غصہ آگیا۔
"نہیں۔ میں بیمار ہوں۔"
"ایسی کون سی بیماری ہے تمہیں۔" وہ چونکی۔
"کینسر۔ بلڈ کینسر۔" گویا انکشاف کیا۔
"کیا۔؟" وہ دو فٹ اچھلی۔ گویا چھوت کا
مرض ہو۔
"ہاں۔ ڈاکٹروں نے یہی مرض تشخیص کیا ہے۔"
اس کی آواز دھیمی تھی۔ (لگے ہاتھوں اس وفا کی دیوی
کو بھی آزمالو)۔
"کیسے ہوا یہ۔ تم نے پہلے تو ذکر نہیں کیا۔"
"پہلے مجھے بھی نہیں پتا تھا۔ بتاؤ میں کس طرح
سے تم سے شادی کر کے زندگی خراب کر دوں۔ تم کسی
اچھے انسان سے شادی کر لینا۔" ساتھ ہی نیک
مشورہ دے کر پیچھا بھی چھڑا لیا۔ وہ خاموش کھڑی
رہی۔

حمزہ کو یقین تھا کہ اب وہ اس سے نہیں
گی۔ سچی محبت ہوتی تو کہتی۔ میرا جینا مرنا تمہارے
ساتھ ہے۔ تم نہیں تو کوئی نہیں۔
مگر دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو گیا
تھا۔ وفا و محبت کی ساری کہانی سامنے تھی۔ وہ
لالچی تھی۔ دولت دیکھ کر پیچھے آئی تھی۔
قرینہ کو کوئی لالچ نہیں تھا۔ صرف اس کی خوشی
عزیز تھی۔

ساری کہانی اچھے چہروں اور دولت کی
اسے خوبصورت چہرے عزیز تھے۔ مگر قریب
دیکھنے پر کتنے پھیکے لگ رہے تھے۔
ضروری نہیں ہے کہ کتاب کا سرورق خوبصورت
ہو تو کتاب بھی بیش بہا معلومات کا خزانہ رکھتی
ہو۔ اس کی نظر میں خوبصورت ترین لڑکی کس قدر
بدصورت نکلی، جسے اس نے محض رنگ کی وجہ سے
ٹھکرا دیا تھا۔ آج اس کے دل کی مکین تھی۔ اور اس
کا رنگ، اس کی حیا، اس کی وفا کتنی خوبصورت تھی۔
خوبصورتی کسی رنگ میں، ناک نقشہ میں نہیں ہوتی۔
اُسے یقین آ رہا تھا۔ چہرے کی خوبصورتی ثانوی
ہوتی ہے۔ اصل خوبصورتی کردار کی، اخلاق کی، وفا
کی، حیا کی ہوتی ہے۔ سیرت کا چاند کبھی نہیں ڈھلتا۔
لڑکیوں کی اصل خوبصورتی سیرت کی خوبصورتی
ہوتی ہے۔ اور جس کو یہ مل جائے، وہ بہت
دولت مند ہو جاتا ہے۔

سارے منظر صاف تھے۔ ایمل نے دوبارہ اسے
نہ فون کیا اور نہ اس سے ملی۔ اور سنبلہ نے ہی اسے
بتایا کہ ایمل کے کزن سے اس کی منگنی ہو رہی ہے۔
اور وہ دل کھول کر ہنسا۔
کیسی محبت کیسی چاہت، ہم پر سب کچھ روشن تھا
یوں ہی ذرا سا شوق ہوا تھا، آؤ دل برباد کریں
وہ بہت خوش تھا۔
"سنو کل میری شادی ہے۔ سادگی سے نکاح کر

رہا ہوں۔" وہ سونے کے لیے لیٹی ہی تھی کہ اس نے
مخاطب کیا۔
"سچ!" وہ لیٹے سے اُٹھ بیٹھی۔ حمزہ دیکھتا
رہ گیا۔

اس کا بس چلتا تو اس شخص کے لیے دنیا کے
آخری کونے سے خوشی خرید لاتی۔ یہ شخص اسے
بہت عزیز ہو گیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے اسے
جو بہت عزیز رکھا تھا۔ ان کی محبت کا قرض وفا
کی صورت میں ہی دے سکتی تھی۔
"تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا۔"
"بالکل یاد ہے۔ دیکھیے گا ایسی شرکت کروں گی
کہ لوگ بھی یاد رکھیں گے۔" اس نے دل سے اٹھتی
ٹیسوں کو دبا کر کہا۔
"آج کل تم بہت کمزور ہو رہی ہو۔" حمزہ نے
اچانک کہا۔
"میں۔!" اس نے حیرانی سے اپنی طرف اشارا
کیا، پھر جلدی سے کمبل گھسیٹ لیا۔ "ایسی کوئی بات
نہیں۔ دراصل عادل شادی سے انکار کر رہا ہے
تو بس اس کے لیے ذرا فکر مند تھی۔"
"کل کس وقت جانا ہے؟"
"نکاح تو صبح ہی ہو جائے گا۔ ہوٹل میں کمرا بک
کروایا ہے۔ وہیں تمہاری ملاقات کروا دوں گا۔" وہ
بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر
حسد، جلن کے جذبات، تاثرات دیکھنا چاہتا تھا
مگر اس کا چہرا ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھا۔
"اے اللہ! مجھے حوصلہ دے کہ میں ثابت قدم
رہ سکوں۔"

اس نے صدقِ دل سے دعا کی۔ اور آنکھیں موندیں
تو ساتھ ہی دو آنسو نکل کر رخساروں پر پھسل گئے۔
اُسے کسی ستائش اور صلے کی پروا نہیں تھی۔
اور حمزہ کو اس وفا پرست لڑکی پر پیار آ رہا تھا۔
آنکھوں سے فریب کا پردہ ہٹا تو اصل حسن نظر
آیا۔

حسن وہ ہوتا ہے جس سے دل کو سکون ملے۔
حسن وہ ہوتا ہے جس سے آنکھ کو ٹھنڈک ملے۔
اصل حسن وہ ہے جس سے روح اور جسم میں
شانتی پھیل جائے۔
بے شک سامنے لیٹا کمبل میں چھپا وجود ایسا
ہی تھا۔

دل اُسے باہوں میں سمیٹنے کو چاہ رہا تھا۔ مگر
درمیان میں ایک رات تھی۔ اس کا استقبال اس
کے شایانِ شان طریقہ سے کرنا چاہتا تھا۔ جو رات
اس سے چھین لی تھی۔ اُسے ویسی ہی رات لوٹا کر
سارے قرضے اُتارنا چاہتا تھا۔
آنکھیں موند کر تکیے پر سر رکھا۔ آج اگر وہ ایمل
سے شادی کر لیتا تو کیا ملتا۔ اسے نہ سکون نہ اطمینان
اور ممی کے حصے میں ایک اور نازک، خوبصورت لیکن
پھوہڑ اور بدمزاج بہو آتی۔
ممی کا فیصلہ کتنا بروقت اور درست تھا۔
ماؤں کے فیصلے کبھی غلط نہیں ہوتے، اسے ان
پر بہت پیار آ رہا تھا۔ اُسے ہی دیکھتا دیکھتا جانے
کب سو گیا۔

صبح بہت روشن اور چمکیلی تھی۔ بارش کے بعد
اچھی خاصی چمکیلی دھوپ نکل آئی تھی۔ ناشتے کی
میز پر پاپا نے کہا۔
"حمزہ بیٹا! آج اسلام آباد کے دو ٹکٹ منگوا دینا۔"
"خیریت پاپا!" قرینہ بھی چونک گئی۔
"ہاں خیریت ہے۔ سویرا کے گھر بیٹا ہوا ہے،
اور اس کی ساس کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
ممی نے تفصیل سے بتایا۔
"سیٹ کب کی کراؤں پاپا؟"
"کوشش کرنا کہ آج ہی کسی وقت کی ہو جائے
جتنی جلدی پہنچ جائیں اچھا ہے۔ رات سویرا فون
پر رو رہی تھی۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کپ
ہونٹوں سے لگا لیا۔
"ممی! میں بھی چلوں۔" قرینہ نے دھیرے سے
کہا۔ حمزہ چونک گیا۔
"نہیں بیٹا! ہم واپس آجائیں تو تم حمزہ کے ساتھ
چلی جانا۔ گھر بھی اکیلا ہو گا۔" اس نے سر جھکا لیا۔
کوشش کر کے اس نے شام کی ٹکٹ حاصل
کر ہی لی۔ ورنہ رات کو ممی کو غائب ہونے کی کیا
وجہ بتاتا۔

انہیں ایئرپورٹ چھوڑ کر آیا۔
وہ لاؤنج میں اداس بیٹھی تھی۔ اتنے بڑے گھر میں اکیلی کیسے رہے گی۔ حمزہ بھی چلا جائے گا۔ فرح کو تو اس طرف آنا منع ہے۔ اس نے گہرا سانس لے کر سر اٹھایا۔ دروازے میں حمزہ کھڑا تھا۔

"ارے آپ کب آئے ہو؟"

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" اس کو دیکھتے ہوئے وہ سامنے بیٹھ گیا۔

"آپ صبح سے مصروف تھے میں سمجھی کہ شاید۔"

"آپ کچھ نہ سمجھیں تو بہتر ہے۔ نکاح ہو گیا ہے صبح۔ ہم اپنا کوئی کام کینسل نہیں کرتے۔ ہاں اگر آپ کینسل کرنا چاہیں تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔ آپ مجھے ٹائم بتا دیں۔"

"ٹائم سات بجے ٹھیک ہے۔ ابھی ساڑھے پانچ بجے ہیں۔ ڈنر آپ کے ساتھ ہوگا۔ وہ محترمہ تو نو، دس بجے سے پہلے نہیں پہنچیں گی۔" اس کا لہجہ سرسری تھا۔

قرینہ چونک گئی۔ "دراصل مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے جواز پیش کر دیا۔

وہ وہیں لیٹ گیا۔ قرینہ باہر نکل گئی۔

حمزہ کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس نے دوسری شادی کر لی تھی۔ وہ تو ہمیشہ سے ہی کسی دوسرے کا تھا، دوسرے کی چیز پہ ہمارا کیا حق۔ پھر یہ دل کیوں اداس ہو رہا تھا۔

"ایمل اس کی خوشی، خواہش، زندگی کی امید ہے امید ٹوٹ جائے تو کچھ نہیں رہتا۔"

"تمہاری امید نہیں ٹوٹی؟" کسی نے چپکے سے پوچھا۔

(میں نے کوئی امید نہیں باندھی تھی)

"سچ کہہ رہی ہو۔" دل سرگوشی کر رہا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

اس نے کپ اٹھایا اور باہر نکل آئی۔ حمزہ کو چائے دی۔ ساتھ سلائس کی پلیٹ بھی تھما دی۔

"تم نہیں پیو گی؟" اس نے سر اٹھایا۔

"نہیں، میرا خیال تھا آپ دیر سے آئیں گے اس لیے پی لی تھی۔ میں تیار ہو رہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔

الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔

آج وہ جانے کیوں بہت اچھی طرح بھرپور طریقے سے تیار ہونا چاہتی تھی۔

اس کے ساتھ پہلی مرتبہ کسی سے ملنے جا رہی تھی۔ اپنا ظرف بتانا چاہتی تھی۔

حمزہ تیار ہو کر بیڈروم میں آیا۔ قرینہ شیشے کے آگے کھڑی تھی، اسے یقین ہی نہیں آیا کہ قرینہ ہے۔ سبز جھلمل کرتی حیدرآبادی اسٹائل کی ساڑی باندھی تھی۔ گلے میں ننھی سی موتی کی مالا تھی۔ کانوں میں بڑے بڑے جھمکے تھے۔ ہاتھوں میں ڈھیر ساری چوڑیاں تھیں۔

بالوں کی ڈھیلی ڈھالی چوٹی تھی۔ میک اپ بہت خوبصورت کیا تھا اس نے۔ اب آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی۔

حمزہ نے اسے ہمیشہ سادہ سے حلیے میں ہی دیکھا تھا۔ وہ تو گویا مبہوت ہو گیا۔

قرینہ پرفیوم کا اسپرے کر کے مڑی۔ "آپ!" وہ ذرا کی ذرا شرمندہ ہوئی، اپنی بے خبری پر۔

"ہاں دیکھنے آیا تھا کہ تم تیار ہو گئیں؟" اس نے بمشکل نظریں ہٹائیں۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سیٹ کرنے لگا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔"

"میری بات چھوڑیں۔ آپ کو اچھا لگنا چاہیے۔ بہت خاص مہمان ہیں آپ۔" حمزہ آئینے میں سے نوٹ کر رہا تھا۔ کہ اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں تھا۔ وہ تیزی سے چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھی۔

"یہ لڑکی اپنی سوکن سے ملنے کے لیے تیار ہوئی ہے۔" قرینہ کی برداشت اس کا صبر آزما رہی تھی۔ کس غضب کی لڑکی ہے یہ۔ اور اس کا حسن۔

"یہ آپ کے لیے۔" اس نے قریب آ کر ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"میرے لیے؟" وہ خاصا حیران ہوا۔ اس نے پیکٹ تھام لیا۔

پیکٹ کھولا۔ چند مختلف قسم کے پرفیوم، ٹائیوں کا سیٹ، قلم اور خوبصورت سا سگریٹ کیس تھا۔ حمزہ وہیں رک گیا۔ کس مٹی سے بنی تھی یہ لڑکی۔

"یہ ایک دوست کا گفٹ ہے۔" وہ سامنے کھڑی تھی۔ "پسند آیا؟"

"بہت بہت زیادہ۔" اس کا دل عقیدت سے بھر گیا۔

"اب چلیں۔ ہم کہیں لیٹ نہ ہو جائیں۔" اسے جلدی تھی، وہ باہر جانے لگی۔

"ایک بات تو بتاؤ۔؟" حمزہ نے اسے روک لیا۔

"کیا۔؟" وہ اس کی طرف مڑی۔ "تمہیں اس بات کا دکھ نہیں ہے کہ میں نے شادی کر لی ہے؟" ایک لمحہ کو اس کی طرف دیکھا۔

"دکھ کس بات کا؟ یہ تو آپ کی خوشی ہے۔" وہ فی الفور یہی جواب دے سکتی تھی۔

"میں اپنی خوشی کا نہیں، پہلی بیوی کے حوالے سے پوچھ رہا ہوں۔" اس پر سے نگاہیں نہیں ہٹائیں۔ بیڈروم کے خوشبودار ماحول میں اس کے سارے زخم رسنے لگے۔ یہ اس کے ضبط کا، صبر کا امتحان تھا۔ اور اسے ثابت قدم رہنا تھا۔ وہ مضبوطی سے اپنے قدموں پہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"شاید آپ بھول رہے ہیں۔ ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ زیادہ پائیدار ہے۔ مضبوط ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو اسی حوالے سے جانتے ہیں۔ اور اگر اس حوالہ کو اہمیت دیتی تو میرا انکار یا اقرار ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ نے جو کرنا تھا۔ وہ کرنا تھا۔" قرینہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"دکھ وہاں ہوتا ہے جہاں اختیار ہوتا ہے۔"

"بڑی عجیب سی بات ہے۔ تم صدائے احتجاج تو بلند کر سکتی تھیں۔"

"کرتی جب، جب آپ کو مجھ سے محبت ہوتی۔" اس کا لہجہ بہت سادہ تھا۔

"اور نہیں۔۔۔؟" ایک لمحہ کو وہ خاموش ہو گئی۔

"میری نظر میں محبت میں پانا ضروری نہیں ہے۔"

"تم علیحدگی بھی اختیار کر سکتی تھیں۔ آخر اتنی بااختیار ہو۔" پتا نہیں وہ کیا پوچھنا چاہتا تھا۔
"تعلیم کا مطلب یہ نہیں ہوتا حمزہ صاحب کہ ڈگریاں ہمیں بااختیار بنا دیں۔ تعلیم ہمیں شعور دیتی ہے۔ پھر میں آپ سے علیحدہ ہو کر کیا کرتی۔ ممی، پاپا کو دکھ دیتی۔ اپنے امی، ابو کو اذیت، دنیا والوں کی نظر میں رسوا ہوتی۔ ہاں اگر مجھے کسی سے محبت ہوتی تو شاید ایسا کر بھی لیتی مگر۔" وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔
اور وہ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا۔
"اور کوئی سوال؟
اور کوئی سوال اگر ہے بھی تو رہنے دیں، پھر کبھی سہی۔ اس وقت بہت سے لوگ آپ کے منتظر ہوں گے۔" وہ آگے بڑھ گئی۔
اور دنیا بھر کی خوشیاں، اپنی بے لوث چاہت اس کے نام کر کے وہ اس کے پیچھے چل دیا۔ بہت پُروقار طریقے سے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اسے حیرانی ہوئی۔
فرح نے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی سے یوں انہیں بنا سنورا دیکھا تو اُسے حیرانی ہوئی۔ حسن کے شیدائی حمزہ کو قرینہ میں کیا نظر آیا۔
حسبِ معمول وہ پیچھے بیٹھنے لگی۔
"سُنو۔!" اس نے روک دیا۔ اور اس کے لیے فرنٹ ڈور کھول دیا۔
"میں نے کہا نا۔ میں اُس سیٹ پر نہیں بیٹھتی جو میری نہیں ہوتی۔"
"لیکن اپنے دوست کی خاطر۔" حمزہ نے پھر امتحان لے لیا۔ اُسے مشکل میں ڈال دیا۔
"آج کا دن آپ کے لیے بہت اہم ہے۔ اس لیے بیٹھ جاتی ہوں، لیکن آئندہ مجھے اس امتحان میں مت ڈالیے گا۔"
"تھینک یو۔" حمزہ دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گیا۔
برسات کی وجہ سے موسم بہت خوبصورت ہو رہا تھا۔ ہوا میں ٹھنڈک تھی۔ اس نے گاڑی چلاتے ہوئے اُسے دیکھا۔ اور ڈیک آن کر دیا۔

وہ کیسٹ الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔
"ایک بات بتاؤ؟"
"کیا۔؟"
"میں نے تم جیسی لڑکی پہلی مرتبہ دیکھی ہے۔ چاہے محبت ہو نہ ہو، مگر بیویاں دوسری شادی پر قیامت برپا کر دیتی ہیں۔"
"میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔ مجھے پڑھنے کے بجائے کسی اور کو پڑھیے۔ یہ آپ کا درد سر ہے۔ ویسے بھی میں خوش رہو اور رہنے دو کے فلسفے پر عمل کرتی ہوں۔" اب وہ اس کی برداشت آزما رہی تھی۔
"مجھے تو تحفہ دے دیا، اس کو کیا تحفہ دو گی؟" حمزہ مسکرا رہا تھا۔
"آپ سے بڑھ کر کیا تحفہ ہو سکتا ہے؟" اس نے گہرا سانس لیا۔ ایک لمحے کے لیے چہرے پر سایہ سا آیا۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔
"اچھا چھوڑو۔ آج میں تم سے تمہاری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے موضوع بدل دیا۔ اُسے اور نہیں آزما سکتا تھا۔
حمزہ نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔
پھر کتنی دیر تک وہ لمبی لمبی سڑکوں پر ڈرائیو کرتا رہا۔ اس سے باتیں کرتا رہا، اس کی پسند ناپسند کے متعلق۔
راستے میں اُسے گجرے بھی خرید کر دیے، جو اس نے کلائیوں میں پہنے، بالوں میں لپیٹ لیے۔ ایک کلی اس کے کالر میں بھی لگا دی۔
"تھینک یو۔"
"پھولوں سے بہتر تحفہ کوئی نہیں ہوتا۔"
پھر انہوں نے چاندنی میں ڈنر کیا، راستے میں آئس کریم کھائی۔ حمزہ بہت خوش تھا۔
"بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہمیں ہوٹل چلنا چاہیے۔ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"
"تمہیں بہت جلدی ہے۔ حالانکہ تمہاری سوکن ہے وہ۔" حمزہ نے شرارت سے چھیڑا۔ جواب میں وہ مسکرا دی۔
الپسرا کے آگے اس نے گاڑی روک دی "چلو!"

ایسے کہ وہ بہت سارے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا فورتھ فلور پر آ گیا۔
"آپ کوشش کیجیے گا کہ ممی کو خبر نہ ہو۔ انہیں دکھ ہو گا۔" ساتھ چلتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔
"کوشش کروں گا۔" اس نے آگے دیکھتے ہوئے روم نمبر فور تھرٹین کا لاک کھولا۔ وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔
سادگی سے سجا ہوا کمرا، گلاب کی خوشبو وہاں سے مہک رہا تھا۔ قرینہ چونک گئی۔
کمرا بالکل خالی تھا۔ اس نے حمزہ کی طرف دیکھا۔
"میرا خیال ہے، وہ لوگ لیٹ ہو گئے ہیں۔" اس نے جواز پیش کیا۔
قرینہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ جب نکاح ہو چکا ہے تو اتنی دیر نہیں ہونی چاہیے تھی۔ وہ خوامخواہ چاروں طرف دیکھنے لگی۔ حمزہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
وہ یہاں کیا کرنے آئی تھی۔ اپنے شوہر کو دوسری لڑکی کو سونپنے۔
وہ چونک گئی۔ شوہر اس کا تھا ہی کب۔ وہ لوگ تو روم میٹ تھے۔
حمزہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ چائے بھی پی لی۔ قرینہ کو الجھن سی ہونے لگی۔
کچھ بھی تھا، وہ ایک لڑکی تھی، اور شام سے اس کی آزمائش ہو رہی تھی۔
"میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ بارہ بج رہے ہیں۔ آپ کے مہمان تو جانے کب آئیں۔ مجھے اکیلے جانا ہے، موسم ویسے بھی خراب ہے۔ لائیے چابی دے دیجیے، میں آپ کی دلہن سے کل مل لوں گی۔" وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی، اور چابی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حمزہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"میری برداشت اور اپنا صبر استقامت آزماؤ۔"
"جی کیا۔" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"ہاں۔" حمزہ نے اس کی حیرانی کو، صبر کو، شرافت کو، اس کے خوبصورت ترین وجود کو خود سے قریب کر لیا۔
اور جب دھیرے سے اس کے کانوں کے قریب جھک کر اس نے اپنے دل کے راز اس پر منکشف کر دیے۔ تو اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اُسے بتایا کہ کس طرح وہ اس کے دل میں اُتر گئی۔ کس طرح اس کی آنکھوں کے پردے ہٹے اور کس طرح اس کی وفا اور محبت نے اُسے پستیوں میں گرنے سے بچا لیا۔
"تم۔ تم قرینہ۔ صرف تم ہی اب میری محبت بھی ہو، میرا یقین بھی، میری محبوبہ بھی، میرے دل کی مہمان بھی ہو۔"
اور۔ اور یہ سب کچھ اس کے بے یقینی سے بھرے دل کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔
"میری وفا، میری چاہت تمہارے نام۔ میری زندگی کی ہر خوشی ہو تم۔" اس نے اُسے شانوں سے پکڑ کر سامنے کیا۔
"تمہیں یقین نہیں نا۔" وہ اُس کے ہاتھوں سے پھسلی اور نیچے گر گئی۔

"قرینہ۔ قرینہ!" اُسے اٹھایا، جھنجوڑا، بستر پر لٹا دیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ تکلیف کے آثار تھے۔

فون پر ہوٹل کے ڈاکٹر کو بلایا۔ اس نے چیک اپ کیا۔ ضروری اقدام کیے۔

"ڈاکٹر خیریت تو ہے۔؟" اس نے بے قراری سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ٹیک اِٹ ایزی۔ معمولی سا اٹیک ہے، ٹھیک ہو جائیں گی۔ احتیاط کی ضرورت ہے۔ معمولی سی بات انہیں تکلیف میں مبتلا کر سکتی ہے۔"

اور حمزہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی محبت، اس کی چاہت کا یہ اثر ہوگا۔

"انہیں ہوش کب آئے گا؟"

"ابھی تھوڑی دیر میں آجائے گا۔"

ڈاکٹر ضروری ہدایات دے کر چلا گیا۔

بہت دیر بعد اُسے ہوش آیا۔

"کیسی ہو؟" وہ بے قراری سے جھکا۔ وہ اُسے دیکھتی رہی۔

"میری باتوں کا یقین نہیں آیا تمہیں؟ یہ۔ یہ سب کچھ تمہارے لیے تھا۔ صرف تمہارے لیے، مجھے کسی کا انتظار نہیں تھا۔" اس نے یقین دلایا۔

"اور۔ اور وہ سب باتیں۔ وہ نکاح۔ وہ۔ وہ۔"

"سب کچھ تم سے تھا۔ تمہارے لیے تھا۔" اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"حسنِ صورت عارضی ہوتا ہے، حسنِ سیرت لازوال تمہارے وجود نے وفا نے۔ ایثار و قربانی نے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کروائی۔"

"لیکن میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا۔" اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا، اور مجھے لائن پر لے آئیں۔ تم کیا جانو۔ تم نے کیا کیا ہے، کاش دنیا کی ساری لڑکیاں تم جیسی وفا پرست ہو جائیں تو دنیا کے سارے مرد سنور جائیں۔" اس نے شرارت سے اُسے دیکھا۔

"دنیا کی ہر لڑکی باوفا ہوتی ہے۔ بس مرد جب بے یقینی کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو لڑکی بے وفا ہو جاتی ہے۔"

"اگر میں سچ سچ شادی کر لیتا پھر۔؟"

رد عمل تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"ناراض ہو مجھ سے؟"

"ناراضگی کس بات کی؟ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آیا ہے، مگر مجھے انتظار نہیں تھا، اور میں کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ جو دے دیا سو دے دیا۔" وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔

"تمہاری بے ہوشی نے تو مجھے جان سے مار دیا تھا۔" حمزہ نے اُسے بتانا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے دھیرے سے اپنی جیب سے کنگن نکالے اور اس کے ہاتھ میں پہنا دیے۔

"نوید سحر مبارک ہو۔" اس نے شرارت سے دیکھا۔

"سحر کیا، ابھی تو رات کا پہلا پہر ہے۔" اس نے بھی جوابی کارروائی کی۔

حمزہ اُسے دیکھتا رہا۔ اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اور ساری خطائیں معاف کر دیں۔

کتنا ظرف ہوتا ہے عورت کا۔ وفا تو عورت میں ہی ہوتی ہے، مرد کا کیا ہے۔ جس نئی لڑکی سے ملتا ہے۔ وفا کی قسمیں کھاتا ہے۔ خود اس نے ایمل سے پہلے رجاء، زارا، اور بہت سی لڑکیوں کے ساتھ وفا کا کھیل نہیں کھیلا؟

اس نے حقیقت کے آئینے میں خود کو دیکھا۔

"کیا سوچنے لگے؟" اُس نے دھیرے سے اُسے پکارا۔

"آں۔ ہاں کچھ۔" اس نے ایک بار پھر اپنے دل میں اس وفا کی دیوی کے نام ساری چاہتیں کر دیں۔ وہ اپنی طرز کی جوگن تھی۔ وہ ساری عمر کے لیے اس کے نام کا جوگی بن جائے گا۔

"میں سوچ رہا تھا۔ تم ساڑھی میں بہت خوبصورت لگتی ہو۔" اس نے بے اختیار اس کی تعریف کر دی۔ اور اُس نے محجوب سی ہو کر پلکیں جھکا لیں۔

حمزہ اُسے دیکھتا رہ گیا۔ اب تک اُس نے جتنی لڑکیاں دیکھی تھیں، کوئی بھی اس سے زیادہ حسین نہیں تھی۔ کوئی مسکان، کوئی شرم، اس حیا سے زیادہ معتبر نہیں تھی۔

کوئی نظر اس نظر سے زیادہ پاکیزہ نہیں تھی۔

ہما شفیق حیگاہ

"آبگینہ! آج تم مجھے ایک بات بتا ہی دو کہ آخر یہ تمہاری آنکھوں میں اتنا وافر مقدار میں پانی کہاں سے آجاتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر تم بے دریغ آنسو بہاتی ہو۔ اور پھر تم یکدم گھنٹے سے قبل تم چپ ہی نہیں ہوتیں۔ مجھے یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور اس ایک ہفتہ میں بلا مبالغہ تم نے اٹھائیسویں دفعہ